ترتیب جدید

سلسلۂ منتخبات نظم اردو

جذباتِ فطرت

مرتّبہ

الیاس برنی

جلد چہارم

[بار چہارم] [قیمت عہ]

PRESENT PRICE 2/-

GOVT. COLLEGE FOR WOMEN SRINAGAR

LIBRARY

Class No U 81.1

Book No. E 60 J. V.4.

Acc. No. 303

U3/70

ترتیبِ جدید

سلسلۂ منتخباتِ نظم اردو

جذباتِ فطرت

مرتّبہ

محمد الیاس برنی ایم اے ال ال بی (علیگ)

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

جلد چہارم

باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی

مسلم یونیورسٹی پریس علیگڑھ میں ۱۳۴۸ھ ۱۹۲۹ء طبع ہوئی

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

بار چہارم

قیمت عہ

PRESENT PRICE 2/=

acc. No: 303

GOVT. GIRLS COLLEGE

303

acc. No: 303

اس سلسلہ کے تینوں سٹوں کی بارہ کتابوں کے ملنے کے پتے:-

۱- محمد مقتدیٰ خاں شروانی - علی گڑھ

(۲) محمد الیاس برنی - بیت السّلام - حیدرآباد (دکن)

(۳) شیخ مبارک علی - لہاری دروازہ - لاہور

گزارش

کھلتا کسی پہ کاہے کو دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

یہ سلسلۂ منتخبات کیا ہے۔ سراسر اپنے دل کی کہانی ہے۔ کہنے کو شاعروں کی زبانی ہے۔ ہر شعر کا یہ حال ہے ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

قدیم و جدید اور معروف و غیر معروف شعرا کے کلام میں جہاں بھی اپنے دل کی باتیں نظر آئیں گی فراہم اور مرتب ہو ہو کر نئی جلدوں میں شائع ہوتی جائیں گی۔ انشاء اللہ

کتابیں ختم ہو چکی تھیں اور فرمائشوں کی بھرمار تھی۔ تاخیر سے تقاضوں کی نوبت آگئی تیسرے اڈیشن میں لاجرم بہت عجلت کرنی پڑی۔ گرچہ وہ جدید ترتیب اور اضافۂ مضامین کے ساتھ بمقابل سابق بہت بہتر شائع ہوا۔ تاہم کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں رہ گئیں بعض نظمیں بے محل درج ہو گئیں اور چند درج ہونے سے رہ گئیں۔ اس چوتھے اڈیشن میں یہ خامیاں بھی رفع ہو گئیں اور بفضلہ سلسلہ اپنے حسنِ کمال کو پہنچ گیا۔ فالحمدُ للہِ علیٰ اِحسانِہٖ

جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن
جولائی ۱۹۲۹ء

محمد الیاس برنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تشریح ترتیب جدید

مروجہ غزلیات کی کثرت سے عموماً یہ خیال پھیل گیا ہے کہ اردو شاعری کی ساری کائنات محض حسن و عشق اور گل و بلبل کی پرانی داستان ہے۔ مگر تحقیق سے معلوم ہوا کہ اردو میں بھی ہر رنگ کی بہتر سے بہتر نظمیں موجود ہیں البتہ وہ اب تک منتشر اور غیر معروف رہیں۔ چنانچہ موجودہ انتخاب سے اس کی پورے طور پر تصدیق ہوتی ہے۔ اگر جدید تعلیم یافتہ حضرات اس سلسلہ انتخاب کو ملاحظہ فرمائیں گے تو ثابت ہوگا کہ انگریزی کی جن نیچرل نظموں پر وہ سر

دُھنتے ہیں ان کی ہم پلّہ نظمیں خود ان کی اُردو زبان میں موجود ہیں۔ شعر و سخن کے چمن کھلے ہوئے ہیں جن کے رنگ و بو سے دل و دماغ بلکہ روح کو تفریح ہوتی ہے۔ امید ہے کہ اس انتخاب کو دیکھ کر تعلیم یافتہ حضرات کے دل میں ضرور اُردو شاعری کی قدر و محبت پیدا ہو گی اور ان کی قدردانی و توجہ سے اُردو شاعری کی ترقی کا ایک نیا دور شروع ہو گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

سنہ ۱۹۱۹ء میں اس سلسلہ کی ابتدا ہوئی جب کہ معارفِ ملت مناظر قدرت اور جذبات فطرت کی پہلی تین جلدیں شائع ہوئیں اور پہلا سٹ کہلائیں ملک نے بہت گرمجوشی سے اس کا خیر مقدم کیا۔ اچھے اچھے ادیبوں اور نقادانِ سخن نے انتخاب اور ترتیب کی داد بلکہ مبارکباد دی۔ ہر طرف سے فرمائشوں کا تار بندھ گیا۔ اور ہاتھوں ہاتھ کتابیں چل نکلیں۔ علاوہ بریں اکثر صوبوں کے مدارس میں کتب خانوں انعامات بلکہ درس کے واسطے بھی یہ کتابیں منظور ہو گئیں۔ اس قدرشناسی اور ہمّت افزائی نے قدرتاً نئے سٹوں کی تالیف و طبع کی رفتار تیز کر دی۔ چنانچہ سنہ ۱۹۲۰ء میں دوسرا سٹ شائع ہوا اور سنہ ۱۹۲۱ء میں تیسرے سٹ کے ساتھ ساتھ پہلے دو سٹوں کے دوسرے اڈیشن بھی نکل آئے سنہ ۱۹۲۲ء میں یہ تینوں سٹ چلتے رہے۔ سنہ ۱۹۲۳ء میں چوتھا سٹ بھی نکل

آیا۔ اس طرح پانچ سال کے اندر اندر سلسلہ کی بارہ جلدیں شایع ہو گئیں جن میں کم وبیش دو سو قدیم و جدید شاعروں کے کلام کا انتخاب شامل تھا۔

الحمد للہ ان کتابوں نے امید اور توقع سے بڑھ کر شہرت و مقبولیت حاصل کی قدیم و جدید تعلیم یافتہ سب ان کا دم بھرنے لگے۔ بڑے چھوٹے یکساں دل سے قدر کرنے لگے۔ سفر حضر میں ان کو پیش نظر رکھنے لگے۔ پڑھی لکھی بہو بیٹیوں نے تو ان کو اپنا وظیفہ بنا لیا۔ خلوت و جلوت کے لئے اچھا مشغلہ پا لیا۔ آپس کے تحفے تحائف میں بھی یہ کتابیں چلنے لگیں اور گھر گھر دلچسپی اور خوش وقتی کا سامان بن گئیں۔ غرض کہ صدہا اردو پرست گھرانے اس سلسلہ کے معتقد بلکہ مرید ہو گئے اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے اس سے ظاہر ہے کہ اردو میں ایسے انتخاب کی عام و خاص کو کس درجہ ضرورت تھی۔

اس سلسلہ کی سب سے بڑی خصوصیت جس کی نظیر دوسری زبانوں میں بھی کم نظر آتی ہے ترتیب اور تقابل ہے۔ یعنی ایک ایک مضمون کے متعلق متعدد نظموں کو اس طرح یکجا ترتیب دینا کہ ان کا باہم مقابلہ ہو سکے اور تقابل سے ہر ایک کے خصوصیات نمایاں ہوں اور ان کے ادبی مدارج کا پتہ چلے کہ کس اعتبار سے کون سی نظم کس نظم پر فائق ہے۔ یہ طریق تقابل جس کو انگریزی میں کمپیریٹو اسٹڈی

کہتے ہیں ادب کی تعلیم میں بہترین اور انتہائی ذہنی تربیت شمار ہوتا ہے۔ مزید براں اس قسم کی ترتیب سے اُردو شاعری کی وسعت اور رفعت کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ کن کن مضامین کی فضا میں اُردو شاعر کس حد تک بلند پروازی دکھا چکے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ کو دیکھ کر بہت سے منکر اور غافل اُردو شاعری کے قائل بلکہ معتقد ہو رہے ہیں۔ حالانکہ ابھی بہت کچھ بیش قدر کلام نظروں سے پوشیدہ ہے۔

ترتیب کے علاوہ دوسری خصوصیت جس کی تفصیل تمہید میں مذکور ہے یہ کہ انتخاب میں صرف نظمیں نقل کرنے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ بڑی ترکیبوں کے ساتھ مشہور نظموں میں سے ایسی نظمیں نکالی گئی ہیں جو بجائے خود مستقل اور مکمل معلوم ہوتی ہیں حالاں کہ اصلی نظموں میں ان کا شبہ گزرنا بھی مشکل تھا۔ اس سے بڑھ کر جدت یہ کہ ایک ہی شاعر کے متفرق اشعار یک جا ترتیب دے دے کر ان سے نہایت نادر اور لطیف مضامین پیدا کئے گئے ہیں جو مستقل نظموں میں نایاب ہیں۔ میر تقی میرؔ، مرزا غالبؔ اور اکبرؔ الہ آبادی ان حضرات کے کلام میں خاص کر اس طریق کو بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ چنانچہ اس طرز کی متعدد نظمیں سلسلہ میں شریک ہیں جو اپنے طرز میں بالکل عجیب اور انوکھی معلوم ہوتی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ بیخودی میں شاعر کے منہ سے حقایق کے پھول

جھڑتے رہتے ہیں۔ کوئی چاہے تو ان کو جمع کر کے بہترین خوشنما اور خوشبودار گلدستے بنالے۔ نظمیں ان ترکیبوں سے حاصل ہو بھی گئیں تو اکثر کے عنوان ندارد پھر ان پر ایسے موزوں اور جامع عنوانات لگادیے گئے کہ معانی کے دریا کوزوں میں بند نظر آنے لگے۔ غرض کہ طرح طرح سے کوشش کی تب کہیں ایک حد تک اُردو شاعری کی چمن بندی ہو سکی۔ ورنہ اس خطہ کے سرسری رہروں کو اکثر ایک خودرو جنگل کا دھوکا ہوتا تھا جس میں ان کو رنگ و بو کے پھول بھی کم نظر آتے تھے۔

کُل مواد پہلے سے تو موجود نہ تھا۔ بتدریج فراہم ہو ہو کر ترتیب پاتا گیا۔ شائع ہوتا گیا۔ اس طرح چار سٹ مرتب ہو کر بارہ جلدیں شائع ہوئیں گرچہ سلسلہ کی ترتیب اور تہذیب میں پوری کوشش کی گئی پھر بھی اصلاح و ترقی کی کافی گنجائش باقی رہ گئی مضامین کی مجالست ترتیب کی روح رواں ہے۔ وافر مواد مہیا ہو جانے کی بدولت جدید ترتیب میں سابق کے مقابل مجالست مضامین کہیں زیادہ چست اور وسیع ہو گئی ہے۔ حتیٰ کہ ہر جلد میں ایک مستقل اور جداگانہ کیفیت نظر آتی ہے۔ شائع شدہ نظموں کے علاوہ بہت سی اور نظمیں بھی شامل ہو گئی ہیں گویا جدید ترتیب اور مزید مضامین کے ساتھ یہ بارہ جلدیں از سرِ نو

شائع کی جاتی ہیں اور آئندہ یہ ان کی مستقل شکل رہے گی تفصیل ملاحظہ ہو۔

پہلا سٹ

معارفِ ملت

جلد اوّل۔ متعلق دینیات یعنی حمد، نعت، مناجات اور معرفت کی نظمیں جن میں دین وایمان کی خوشبو مہکتی ہے۔ صاحب دلوں اور عاشقانِ رسول کے واسطے بڑی نعمت ہے۔

جلد دوم۔ متعلق اسلامیات یعنی اسلام اور مسلمانوں کے ماضی، حال اور مستقبل کی تفسیریں اور تصویریں، جو قلب کو گرماتی اور روح کو تڑپاتی ہیں۔ خاص کر واقعۂ کربلا کے ۱۵ جگر دوز نشتر لذت شہادت تازہ کر دیتے ہیں۔ اسلامی مدارس کے واسطے بیش بہا تحفہ ہے۔

جلد سوم۔ متعلق قومیات یعنی ہندوستان کی متحدہ قومیت کے متعلق دردمند اور وطن پرست شاعروں کا دل پذیر کلام جو عبرت سکھاتا اور غیرت دلاتا ہے۔ اس جلد میں چند قدیم شہر آشوب بھی شامل کر دیئے ہیں۔ قومی مدارس کے واسطے بہت موزوں ہے۔

جلد چہارم متعلق اخلاقیات یعنی اردو شاعری میں اخلاق و حکمت کے جو انمول موتی جواہر بکھرے پڑے تھے اور جو بہترین قومی سرمایہ میں فراہم کر دیئے گئے ہیں۔ یہ جلد لڑکوں اور نوجوانوں کے واسطے قابلِ قدر تحفہ ہے۔ تمام مدارس کے واسطے یکساں مفید ہے

دوسرا سٹ

جذبات فطرت

جلد اول۔ اُردو شاعری کے قافلہ سالار یعنی میرؔ اور مرزا رفیع سوداؔ کے کلام کا مربوط اور جامع انتخاب خاص کر میرؔ کے متفرق اشعار کو ترتیب دے کر جو نازک مضامین پیدا کئے گئے ہیں وہ بہت نایاب ہیں۔ یہ کتاب بھی کالج کی اعلیٰ جماعتوں میں درس کے قابل ہے۔

جلد دوم۔ اُردو کے سرمایۂ ناز شاعر مرزا غالب اور اُس کے خاص ہم عصر یا خاص ہم رنگ شعرا ذوقؔ، ظفرؔ اور حسرت موہانی کے کلام کا انتخاب۔ غزلیات کے علاوہ مرزا غالبؔ کے متفرق اشعار کی ترتیب سے جو گوناگوں لطیف مضامین پیدا کئے گئے ہیں وہ قابلِ دید ہیں۔

یہ کتاب بھی اعلیٰ جماعتوں کے درس کے قابل ہے۔

جلد سوم۔ تقریباً تیس قدیم، مستند اور باکمال شعراء کے کلام کا اعلیٰ انتخاب جو اپنی قدامت اور جامعیت کے لحاظ سے قابلِ دید ہے۔

جلد چہارم۔ تقریباً ساٹھ جدید مشہور و مقبول شعراء کے کلام کا دلکش انتخاب شاعری کے جدید دور کا اس سے خوب اندازہ ہو سکتا ہے۔

تیسرا سٹ

مناظرِ قدرت

جلد اوّل۔ متعلق اوقات یعنی صبح، شام، دن، رات۔ دھوپ، چاندنی، موسم گرما، سرما، برسات اور بہار کے دل کش مناظر نظموں میں اس خوبی سے عکس فگن ہیں کہ ان کو دیکھ کر طبیعت وجد کرنے لگتی ہے نیچر پرستوں کے لیئے یہ جلد قدرت کی دلفریبیوں کا بہترین مرقع ہے۔

جلد دوم۔ متعلق مقامات یعنی آسمان، زمین، پہاڑ، جنگل، میدان، دریا کھیت، باغات، شہر اور عمارات۔ شاعروں نے ان سب کی ایسی صاف ستھری تصویریں کھینچی ہیں کہ نظم پڑھتے وقت گویا ہم آنکھوں

سے اُن کی سیر کر رہے ہیں۔

جلد سوم متعلق نباتات و حیوانات۔ یعنی پھول پھل، کیڑے پتنگے، تتلیاں چڑیاں، پرندے، چرندے، چوپائے اور متفرق جانور وغیرہ ان سب کے حالات پڑھنے سے اندازہ ہو سکے گا کہ اُردو شاعروں نے اشیائے قدرت کا کس حد تک مطالعہ کیا ہے اور مشاہدات میں کہاں تک جان ڈالی ہے۔

جلد چہارم متعلق عمرانیات۔ یعنی ہندوستان کے تمدن، رسم و رواج، عید تیوہار، غمی شادی، میلے ٹھیلے، صحبتیں جلسے، کھیل تماشے، وضع لباس صورت، شکل، ہنسی مذاق، بزم اور رزم۔ سب طرح کے حالات پیشِ نظر ہو کر دل کو بے چین کر دیتے ہیں۔ مناظرِ قدرت کی پہلی تین جلدیں زنانہ مدارس کے واسطے خاص کر بہت موزوں ہیں۔

سلسلے کی بارہ جلدیں تو مستقل ہو گئیں۔ اگر آئندہ موقع ملا اور مواد فراہم ہوتا رہا تو انشاء اللہ وقتاً فوقتاً ایک ایک جلد اس سلسلہ کے تتمہ کے طور پر شائع ہوتی رہے گی۔ اور ہر جلد میں معارفِ ملت، مناظرِ قدرت اور جذباتِ فطرت تینوں حصوں کے کچھ کچھ مضامین شامل رہیں گے۔ ہر حصہ

کی جُداگانہ جلد مرتب ہونے کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔ اگر یہ سلسلہ اس طرح جاری رہ سکا تو امید ہے کہ اُردو کا بیشتر قابلِ قدر کلام ایک جا محفوظ ہو جائے گا اور شائقین کو بلا دقت دستیاب ہو سکے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

علاوہ بریں ایک فارسی انتخاب کے واسطے بھی عرصہ سے بعض محترم بزرگوں اور مخلص احباب کی فرمائش جاری ہے بلکہ اصرار تک نوبت پہونچ گئی ہے مہلت اور موقع شرط ہے۔ ممکن ہے کہ ایک خاص طرز کا فارسی انتخاب بھی کبھی شائع ہو کر شرفِ مقبولیت حاصل کرے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ ؕ

جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن

دسمبر ۱۹۲۷ء

محمد الیاس برنی

تمہید

اُردو شاعری کی بھی عجیب افتاد پڑی جب کہ ہندوستان میں اسلامی حکومتوں پر تباہی کی کالی گھٹائیں چھا رہی تھیں اور گھڑی گھڑی ادبار کی بجلیاں گرتی تھیں، بزمِ سخن کی رونق اور چہل پہل قابلِ دید تھی۔ خود فرماں روائے وقت دنیا و مافیہا سے بے خبر شاعری کی دھن میں مست تھے۔ شاعروں کی دیکھا دیکھی حشرات الارض کی طرح بے شمار نظم نگار نکل پڑے آٹھوں پہر مشاعرے گرم رہنے لگے اور مداحوں کی واہ وا نے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ رنگ رلیوں کا زمانہ تھا۔ کلام بھی قدرتاً اسی رنگ میں رنگ گیا۔ چنانچہ اس میں حُسن

پرستی کا وہ ہیجان آیا اور عشق و عاشقی کا وہ طومار بندھا کہ خدا کی پناہ۔ اس زہریلے مذاق سے قوم پر کس درجہ مُردنی چھائی، اخلاق و عادات کی کیا گت بنی، جاہ و ثروت کس طرح خاک میں ملے۔ یہ عبرت ناک داستان ابھی تاریخ ہند میں بیان ہونی باقی ہے پھر بھی بڑی خیریت ہوئی کہ ظاہری آرائش کی کثرت سے شاعری کا اصلی حُسن چھپا رہا مبالغوں اور لفظی رعایتوں نے خود ہی اس آگ کے شعلے دبا دیئے۔ اگر کہیں اس رنگ میں امانت، جرأت، انشا، مرزا شوق اور میاں نظیر کے مخصوص طرز پر شاعری نے اپنا پورا پورا جلوہ دکھایا ہوتا تو پھر قیامت تھی۔ فحش اور مبتذل کلام سے تو بحث نہیں۔ ان واسوختوں نے نہ معلوم کتنے نونہال جُھلس ڈالے۔ البتہ اس رنگ کے متین اور مہذب کلام کو لیجئے اس میں ہزار لفظی اور معنوی خوبیاں سہی لیکن تاثیر جو شاعری کی جان ہے کم یاب ہے۔

اگرچہ بہت سا کلام گردشِ ایام کی نذر ہو گیا۔ تاہم اب بھی نظموں کا ایک وافر ذخیرہ موجود ہے اور خدا کا شکر ہے کہ جابجا ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں جن کے پاکیزہ اور لطیف مضامین قوم کے واسطے مایۂ حیات اور

سرمایۂ مباہات ہیں جن کے بیان کی صفائی و حقیقت آمیزی اور جن کی زبان کی شگفتگی و بے ساختگی سے شاعری کی سحر کاریاں جلوہ گر ہیں۔ ایسا کلام خود بخود قلب کو گرماتا اور روح کو تڑپاتا ہے۔ سوتوں کو جگاتا اور ڈوبتوں کو تراتا ہے۔ ہنستوں کو رلاتا اور روتوں کو ہنساتا ہے۔ شاعری نے اس میں بلا کا اثر بھر دیا ہے۔ کسی عارضی اور مصنوعی ذوق کے بجائے خود انسانی فطرت اس کی مقبولیت کی ضامن ہے اور نفسیات کے دربار سے اسی کو بقائے دوام کا فرمان ملا ہے۔

اشاعت ادب، ترقی زبان، اصلاح تمدّن کی ایک عمدہ سبیل یہ ہے کہ خاص خاص رنگ کا شاعرانہ کلام مرتّب کر کے ناظرین کے روبرو پیش کیا جائے۔ چنانچہ زندہ دل اور علم دوست قوموں میں ادبی خدمت کا یہ طریق بہت رائج اور مقبول ہے۔ آئے دن اچھے سے اچھے انتخابات شائع ہوتے رہتے ہیں اس ترکیب سے مطالعہ کا شوق بڑھتا ہے ذوق سلیم پیدا ہوتا ہے اور شاعری اپنا کام کر دکھاتی ہے۔

کچھ انتخابات آج کل نصابِ تعلیم میں داخل ہیں۔ بعض شاعروں کا منتخب کلام بھی شائع ہو رہا ہے لیکن اب تک ایسے مسلسل اور مربوط انتخابات

کا انتظار رہا جو ادبی مرقعوں کا کام دیں۔ بڑی ضرورت یہ ہے کہ شاعری کے موجودہ رجحانات اور مقامات پیش نظر ہو جائیں تاکہ جو ادیب اور شاعر اپنی ذمہ داریوں سے واقف ہوں شاعری کی اصلاح و ترقی کی معقول تجاویز سوچیں اور کارگر تدابیر اختیار کریں۔ انتخابات سے پتا چلا کہ ہماری شاعری کے بہت سے شعبے توجہ طلب ہیں۔ مثلاً اب تک وہ دین و ملت سے بیگانہ بلکہ برگشتہ رہی۔ حمد، نعت اور مناجات جن میں کچھ خلوص و نیاز کی چاشنی ہو مشکل سے ملتی ہیں اور قومی نظمیں تو بوجہ ندرت الٰہی تک تبرک بنی ہوئی ہیں۔ اسی طرح جذبات کو لیجئے اول تو انسانی طبیعت یوں ہی حزن پسند ہے دوسرے اردو شاعری نے قومی تنزل اور تباہی کے دور میں ہوش سنبھالا قدرتاً کلام پارہ اور یاس انگیز ہے۔ دنیا کی بے ثباتی، زمانہ کی گردش، تقدیر کی بندش، فنادگی و خود فراموشی، سکون و خموشی۔ جب راگ کا یہ سرگم ہو تو پھر ناممکن ہے کہ اُسے سُن کر مال و دولت اور جاہ و حشمت سے دل بیزار نہ ہو شاعری کی یہ بدولت ہماری جیسی مضمحل اور تساہل پسند قوم کے حق میں بہت خطرناک ہے کہیں خدا نخواستہ جد و جہد کے رہے سہے ولولے اور ترقی کی امنگیں پھر

سرد نہ پڑ جائیں۔ اس وقت تو کچھ ایسے حار نسخہ کی ضرورت ہے جس سے دلوں کی افسردگی نکلے اولوالعزمی اُبھرے اور لوگوں میں گرم جوشی پھیلے اس طرح گرم سرد اجزا کی آمیزش سے خود بخود شاعری میں ایک صحت بخش اعتدال پیدا ہو جائے گا۔ علیٰ ہذا قدرت کو لیجئے اس کے بے شمار عجائبات ہمیشہ سے آنکھوں کے سامنے موجود رہے۔ لیکن ہمارے شاعروں نے کہیں اب جا کر نقاشی شروع کی ہے اور ابھی وہ زمانہ دور ہے جب کہ نیچر کی تصاویر منہ سے بولنے لگیں۔ حاصل کلام یہ کہ اُردو شاعری میں گوناگوں اصلاح و ترقی کی ضرورت و گنجائش ہے اور بحالتِ موجودہ غالباً انگریزی شاعری اس کام میں بہت زیادہ مدد دے سکتی ہے۔

اسی ضرورت کے خیال سے خدا کا نام لے کر ہم منتخبات نظم اُردو کا ایک باقاعدہ سلسلہ شروع کرتے ہیں۔ مجانستِ مضامین کے لحاظ سے اس کے تین جداگانہ حصے قرار پائے ہیں۔

(۱) معارفِ ملت۔ حمد، نعت، مناجات اور اخلاقی و قومی نظموں کا گلدستہ۔

(۲) جذباتِ فطرت۔ سب دلوں کی کہانی چند شاعروں کی زبانی

بقول غالبؔ ؎

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

(۳) مناظرِ قدرت۔ اوقات، مقامات، مخلوقات، واقعات کی دلکش تصاویر کا مرقع۔

ایسے وسیع انتخابات میں سب نظموں کا ادبی حیثیت سے ہم پلہ ہونا نہ تو ممکن ہے اور نہ مطلوب۔ چنانچہ اساتذہ کے کلام کے پہلو بہ پہلو نومشق اور غیر معروف شاعروں کی طبع آزمائیاں بھی درج ہیں۔ لیکن شاعری کے رنگ و بو سے کوئی نظم خالی نہیں۔ بعض نظمیں جو ادبی لحاظ سے شاید ادنیٰ خیال کی جائیں اس لئے خاص طور پر قابلِ قدر ہیں کہ وہ پہلے پہل نئے نئے ضروری مضامین کے صاف ستھرے خاکے بطور نمونہ پیش کرتی ہیں سچ پوچھئے تو یہ بھی بڑا کام ہے۔ خدا جانے انھیں کی دیکھا دیکھی آگے چل کر سحر نگار قلم کیسی کیسی انوکھی اور پیاری تصاویر کھینچ دکھائیں۔ علاوہ بریں ارتقاد شاعری کی تحقیق میں بھی یہ نظمیں ناگزیر ہوں گی۔ پھر کسی جامع انتخاب میں کیوں کر

نظر انداز ہو سکتی ہیں۔ اگر کچھ نظمیں بعض حضرات کے لطیف ادبی مذاق پر بار ہوں تو امید ہے کہ وہ معذرت قبول فرمائیں گے باایں ہمہ ان کی ضیافتِ طبع کے لئے اساتذہ کا بھی کافی کلام موجود ہے۔ اگر انار کے کچھ دانے کچے ہوں تو اس سے باقی انار کی شیرینی و لطافت میں کچھ فرق نہیں آتا۔

انتخاب اور ترتیب کا طریق خود مجموعوں سے ظاہر ہے۔ اصل مضمون پیش نظر رکھ کر نظموں سے غیر ضروری اجزا نکالنا۔ مفید مطلب مقامات چھانٹنا۔ حسب صلاحیت ان کو از سرِ نو ملانا یا جداگانہ نظموں کی شکل میں لانا، پھر نظموں کے موزوں عنوانات قرار دے کر ان کو مضمون وار اس طرح ترتیب دینا کہ ہر نظم کا موقع محل ایک خاص موزونی اور معنی رکھتا ہو، یہ سب اہتمام کیا تب کہیں اس سلسلۂ منتخبات کا ڈول پڑا۔ آئندہ جوں جوں موزوں کلام دستیاب ہوگا، ہر حصہ کی متعدد جلدیں بتدریج شائع کی جائیں گی جو ساخت اور ضخامت کے لحاظ سے تقریباً یکساں ہوں گی۔ امید ہے کہ اس طرح پر اُردو شاعری کا ایک وسیع انتخاب مرتب ہو جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

جن شاعروں کے کلام سے دل و دماغ بلکہ روح کو تفریح و جلا ہوتی ہے ان کا پورا پورا شکریہ کوئی کس طرح ادا کرے۔ خدائے تعالیٰ

ان کو جزائے خیر دے۔ آمین

جن حضرات نے مہربانی فرما کر نظموں کی فراہمی میں مدد دی یا اس کی طباعت وغیرہ کا حسب دلخواہ اہتمام کیا مؤلف ان کا بھی بدل ممنون احسان ہے۔

ملک کو زبان اُردو کو اور بالخصوص شاعری کو ایسے انتخابات سے جو فائدہ پہنچے گا اُس کے زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ تجربہ خود بہت جلد ثابت کر دے گا۔ اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی

جامعۂ عثمانیہ حیدر آباد دکن،
اگست ۱۹۱۹ء

محمد الیاس برنیؔ

جذباتِ فطرت

جلد چہارم

فہرست مضامین

ہر جلی عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے اور اس کے تحت میں مضامین متجانسہ درج ہیں۔

فہرست مضامین جلد۴

صفحہ

صفحہ

فہرست مضامین جلد۴ صفحہ

صفحہ

مضامین ... جلد۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جذباتِ فطرت

جلد چہارم

۱۔ مروّجہ شاعری

سخنورانِ زماں کی بھی ہے یہی حالت   کہ اس قدیم ڈگر کو نہ چھوڑیے زنہار
سوائے عشق نہیں سوجتا اُنھیں مضموں   سو وہ بھی محض خیالی گھڑت کا اک طومار
تمام اگلے زمانہ کا ہے یہ پسِ خوردہ   کہ کر رہے ہیں جگالی وہ جس کو سو سو بار
نہ لکھتے ہیں کبھی نیرنگِ حکمت و قدرت   نہ واقعات کے وہ کھینچتے ہیں نقش و نگار

جلد۲

ہے شاعری میں یہ پہلا اصول ہو خوش ۔۔۔ کہ جھوٹ موٹ کے بنجائیں ایک عاشقِ زار
صفت ہو دوست کی جلّاد و ظالم و غدّار ۔۔۔ ستم شعار - دل آزار - بے وفا - مکّار
ہو دلبروں کی بھی شامت نہ منہ رہا نہ کمر ۔۔۔ بجائے زلف کے دو اژدہوں کی ہو پھنکار
یہ آپکے گلِ عارض وہی ہیں باسی پھول ۔۔۔ پڑی ہو نزع کی حالت میں نرگسِ بیمار
جو ٹون ہال کی محراب ہے خمِ ابرو ۔۔۔ تو ہو مژہ بھی پولس کے سپاہیوں کی قطار
زنخ کنواں ہو کہ جس میں ڈبو چکے لٹیا ۔۔۔ بھنور ہو ناف کہ جس سے نہو گا بیڑا پار
شبِ فراق کا دُکھڑا اگر کریں تحریر ۔۔۔ تو ایشیا کو ڈبو دیوے دیدۂ خونبار
جو ناصحوں سے ہو کھٹ پٹ تو زاہدوں سے چخ ۔۔۔ جو ساقیوں سے لگاوٹ تو مغبچوں سے پیار
غریب شیخ پہ ہردم دولتیاں جھاڑیں ۔۔۔ کریں مساجد و کعبہ سے دُم دبا کے فرار
کہاں ہو اُن کا ٹھکانا کدھر ہو ان کا مقام ۔۔۔ وہی ہے بیتِ صنم اور خانۂ خمار
بگھارتے ہیں تصوف تو کون دیگا داد ۔۔۔ کہاں ہیں سعدی و حافظ - سنائی و عطّار
کریں گے اس قدر ایمان و دین کی تفضیح ۔۔۔ کہ گویا ہیں کوئی ہفتاد پشت کے کفّار
اگرچہ ہاتھ میں تسبیح لب پہ ہو توبہ ۔۔۔ بنیں گے شعر میں ہاں مے پرست و بادہ گسار
جمالِ یوسف و اعجازِ عیسیٰ و موسیٰ ۔۔۔ ہیں اُن کی گندہ دہانی کے سامنے سب خوار

نہ کچھ خدا کا لحاظ اور نہ انبیا کا ادب
یہ اُن کی نور بھری شاعری خدا کی مار

اسمٰعیل

۲- نیچر کا شاعر

چلڈرا

بعض نیچر کے مرقعوں کے تماشائی ہیں
بزمِ قدرت کے ہر اک سین کے شیدائی ہیں
دن نکلتا ہے تو سورج پہ فدا ہوتے ہیں
رات کو چاند کی سج دھج پہ فدا ہوتے ہیں
توڑ کر عرش سے مضمون کے تارے لائیں
چاندنی رات کے نظموں میں نظارے لائیں
ہوگئے مست جو گھنگھور گھٹائیں دیکھیں
پردۂ ابر میں بجلی کی ادائیں دیکھیں
مینہ کی بوندوں کو سمجھتے ہیں کہ موتی برسے
باغ کی سیر کو جاتے ہیں نکل کر گھر سے
دیکھتے ہیں کبھی اندازِ صبا کا نقشہ
کھینچتے ہیں کبھی پھولوں کی قبا کا نقشہ
برف کے سین پہاڑوں میں دکھاتے ہیں کبھی
آبِ مضمون کی گنگا میں نہاتے ہیں کبھی

آفریں آفریں اللہ رے قدرت کی بہار
نیچرل شعر ہوئے صنعتِ صانع کے نثار

کیفی

۳- شاعر کا دل

شاعر کے دل کو چاہیئے محزوں سدا رہے
کوئی نہ کوئی اس پہ غضب ٹوٹتا رہے

جلد ۱۱
یہ دل نہیں ہے عیش و تنعّم کے واسطے
بیجا نہیں گر اس پہ قیامت بپا رہے
اِک امر ہے کہ ہوں بہم افلاس و شاعری
ممکن نہیں کہ گوشت سے ناخن جدا رہے
دولت بڑھی تو شاعری روپوش ہو گئی
پاس اس اصول کا شعرا کو ذرا رہے
شاعر نہیں وراثتِ قاروں کے واسطے
یہ تیرا ملک تجھکو مبارک شہا رہے

اِس دل کو چاہیے کہ نہ دولت پرست ہو
یہ کعبۂ خلیلؑ ہے اِس میں خدا رہے

صادق

۴۔ شب و شاعر

کیوں میری چاندنی میں پھرتا ہے تو پریشاں
خاموش صورتِ گل، مانندِ بو پریشاں
تاروں کے موتیوں کا شاید ہے جوہری تو
مچھلی ہے کوئی میرے دریائے نور کی تو
یا تو مری جبیں کا تارا گرا ہوا ہے
رفعت کو چھوڑ کر جو پستی میں جا بسا ہے
خاموش ہو گئے ہیں تارِ ربابِ ہستی
ہے میرے آئینہ میں تصویرِ خوابِ ہستی
دریا کی تہ میں چشمِ گردابِ سو رہی ہے
ساحل سے لگ کے موجِ بیتاب سو گئی ہے
بستی زمیں کی کیسی ہنگامہ آفریں ہے
یوں سو گئی ہے جیسے آباد ہی نہیں ہے

جلد۲

شاعر کا دل ہے لیکن ناآشنا سکوں سے
آزاد رہ گیا تو کیوں کر مرے فسوں سے

میں تری چاند کی کھیتی میں گہر بوتا ہوں
چھپ کے انسانوں سے مانند سحر روتا ہوں
دن کی شورش میں نکلتے ہوئے شرماتے ہیں
۶۔ لت شب میں مرے اشک ٹپک جاتے ہیں
مجھ میں فریاد جو پنہاں ہے سناؤں کس کو
تپشِ شوق کا نظارہ دکھاؤں کس کو
برقِ ایمن مرے سینے میں پڑی روتی ہے
دیکھنے والی ہے جو آنکھ کہاں سوتی ہے
صفتِ شمع لحد مردہ ہے محفل میری
آہ اے رات بڑی دور ہے منزل تیری
عہدِ حاضر کی ہوا راس نہیں ہے اس کو
ابھی نقصان کا احساس نہیں ہے اس کو

ضبطِ پیغامِ محبت سے جو گھبراتا ہوں
تیرے تابندہ ستاروں کو سنا جاتا ہوں

اقبال

۵۔ اعزازِ شاعری

شاعر کا اوج بلبل سدرہ سے کم نہ تھا
رکھتی تھی جن دنوں پر پرواز شاعری
خدمت گزارِ شاعرِ خوش گو تھا ہر امیر
تھی ہر وزیر و شاہ کی دمساز شاعری

جلد۲

گردیدہ اک جہان تھا اُس کے جمال کا — کرتی تھی اپنے حسن پہ خود ناز شاعری
ہوتی تھی ہر رئیس کی مجلس میں اس کی قدر — رہتی تھی بزم و رزم میں ممتاز شاعری
بھرتے تھے موتیوں سے سب اہلِ سخن کے منہ — کرتی تھی شاعروں کو سرافراز شاعری

شاعر کی قدر فخرِ دو عالم نے کی حفیظ
رکھتی ہے یہ سند پئے اعزاز شاعری

حفیظ

۶۔ حالی کی شاعری

میں بھی ہوں حسنِ طبع پر مغرور — مجھ سے اُٹھیں گے ان کے ناز ضرور
خاک ہوں اور عرش پر ہے دماغ — مجھ سے برتر ہے میری طبعِ غیور
خاکساری پہ میری کوئی نہ جائے — میرے دل میں بھرا ہوا ہے غرور
نہ گنو اہلِ عصر میں مجھکو — میں بہت کھینچتا ہوں آپ کو دور
چشمۂ آبِ خضر کی مانند — چشمِ اہلِ جہاں سے ہوں مستور
دل سے داد اپنی لے چکا ہوں بہت — مجھکو پروا نہیں کہ ہوں مشہور
مثلِ یوسف دکھائے جوہرِ ذات — جس کو بکنا ہو مفت یہاں منظور

جیسے شہباز ہو قفس میں اسیر — ہوں زمانہ کے ہاتھ سے مجبور
جو نہ سمجھے مجھے کہ کیا ہوں میں — اس سے شکوہ نہیں کہ ہے معذور جلد ۴
لذّتِ مے سے جو نہ ہو آگاہ — اُس کو کیا قدرِ خوشۂ انگور
جس کے آنکھیں نہوں وہ کیا جانے — روزِ روشن ہے یا شبِ دیجور
پہلے ہوگی کسی کو قدرِ ہنر — اُٹھ گیا اب جہاں سے یہ دستور
دردِ دل کا بیاں کروں کس سے — بات کھونی نہیں مجھے منظور
سخنِ حق کی داد لوں کس سے — سُن چکا ہوں فسانۂ منصور
ہم نے دیکھی تمیزِ اہلِ نظر — ہم نے دیکھا مذاقِ اہلِ شعور
ہے غرض ان کو صوتِ موزوں سے — نالۂ دل ہو یا نوائے طیور
ہے فقط روشنی سے اُن کو کام — موم ہو اصلِ شمع یا کافور
آپ اپنے سخن سے ہوں محظوظ — دلِ اصحاب گو نہ ہو مسرور
ہوں تماشائے شہرِ نابینا — ہے برابر مرا خفا و ظہور
دُرِ یکتا ہوں اور ہوں بے آب — ماہِ کامل ہوں اور ہوں بے نور
چشمہ پیدا و کارواں تشنہ — بادہ پُر زور و انجمن مخمور
اس زمانہ میں وہ غریب ہوں میں — جو وطن سے ہو لاکھ منزل دور

جلد ۲

کاش اس عہد میں مجھے پاتے	تھا سخن جب کہ قبلۂ جمہور
کون سمجھے مجھے کہ ہوں کیا چیز	انوری ہے نہ عرفیِ وشاپور
کون دیکھے مرے چمن کی بہار	مر گیا عندلیبِ نیشاپور
جس سے ہوتا ہے خستہ سینۂ ہوش	ہے زباں میری وہ دمِ ساطور
جس سے ہوتا ہے کور پروانہ	ہے مری شمع میں وہ لمعۂ نور
لوں ملائک سے دادِ حسنِ کلام	گر لکھوں نعتِ سرورِ جمہور

کرنے جاؤں جو حق سے عذرِ گناہ
لے کے آؤں نویدِ عفو قصور

حالی

۷۔ سراپائے عشق

زرا عشق ادھر دیکھے بھالے ہوئے	قدم او ستمگر سنبھالے ہوئے
نہ چلنا کہیں وہ قیامت کی چال	کہ لاشے شہیدوں کے ہوں پائمال
جو تو رہنما ہے تو رہزن ہی کون	تجھے دوست سمجھیں تو دشمن ہی کون
نظر بند تیرے ستائے رہیں	مگر آنکھیں چتون چرائے رہیں

کیا تیرے زنداں نے یوسف کو بند — ہوئے تیرے مقتل کو عیسیٰ پسند
نمک تیرا زخموں میں ایوب کے — کھٹک تیری دیدوں میں یعقوب کے جلد
نہ شیخ و برہمن کے ٹھیرے قدم — کشاکش میں ہیں تجھ سے دیر و حرم
جہانگیر ہے نکہتِ دل رُبا — ہے کس فتنہ میں عطر ڈوبا ہوا
چمن کو ہوا تیری ایسی لگی — رگِ گُل سے بلبل کو پھانسی لگی
برہمن کو بُت بن کے دھوکا دیا — بتوں کو خدا کہہ کے بندا کیا
پڑا سایہ جس پر فنا ہو گیا — پری بن کے تو اک بلا ہو گیا
تپش مہرِ محشر کی بڑھتی ہوئی — ترے حُسن کی دھوپ چڑھتی ہوئی
نہ گیسو کا مثل اور نہ رخ کا بدل — وہ شامِ ابد ہے یہ صبحِ ازل
ترے موئے مشکیں بلا در بلا — ہر اک طُرّہ ہنگامہ گر بلا
کہاں بل کہاں پیچ تقدیر کے — یہ ٹکڑے ہیں زلفِ گرہ گیر کے
وہ چمکے شہیدانِ ابرو کے داغ — کہ گل ہو گئے مسجدوں کے چراغ
کوئی چشم کافر ہے اس آن کی — قسم کفر کھائے تو ایمان کی

ستم تیرِ مژگاں کا اٹھتا نہیں
کسی دل کا اتنا کلیجہ نہیں

محسن کاکوروی

جلد۲

۸- کارنامۂ عشق

اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا
جس گھر سے سر اُٹھایا، اُس کو بٹھا کے چھوڑا

ابرار تجھ سے ترساں، احرار تجھ سے لرزاں
جو زد پہ تیری آیا اُس کو گرا کے چھوڑا

راجوں کے راج چھینے شاہوں کے تاج چھینے
گردن کشوں کو اکثر نیچا دکھا کے چھوڑا

کیا منعموں کی دولت، کیا زاہدوں کا تقویٰ
جو گنج تو نے تاکا اُس کو لٹا کے چھوڑا

جس رہ گزر میں بیٹھا تو غولِ راہ بن کر
صنعاں سے راست رو کو رستہ بھلا کے چھوڑا

فرہادِ کوہ کن کی لی تو نے جانِ شیریں
اور قیسِ عامری کو مجنوں بنا کے چھوڑا

یعقوبؑ سے بشر کو دی تو نے ناصبوری
یوسفؑ سے پارسا پر بہتاں لگا کے چھوڑا

لاگ اور لگاؤ دونوں ہیں دل گداز تیرے
پتھر کے دل تھے جن کے اُن کو رُلا کے چھوڑا

عقل و خرد نے تجھ سے کچھ چپقلش جہاں کی
عقل و خرد کا تو نے خاکا اڑا کے چھوڑا

علم و ادب رہے ہیں دبتے ترے ہمیشہ
ہر معرکہ میں تو نے اُن کو دلا کے چھوڑا

افسانہ تیرا رنگیں، روداد تیری دلکش
شعر و سخن کو تو نے جادو بنا کے چھوڑا

اِک دسترس سے تیری حالیؔ بچا ہوا تھا
اُس کے بھی دل پہ آخر چرکا لگا کے چھوڑا

حالی

جلد۴

۹- ولولۂ عشق

آج آرائش گیسوئے دوتا ہوتی ہے
پھر مری جان گرفتارِ بلا ہوتی ہے

پھر کسی کام کا باقی نہیں رہتا انساں
سچ تو یہ ہے کہ محبت بھی بلا ہوتی ہے

مرغِ بسمل کی طرح لوٹ گیا دل میرا
نگہ ناز کی تاثیر بھی کیا ہوتی ہے

خود سمجھتا ہوں کہ رونے سے بھلا کیا حاصل
پر کروں کیا یوں ہی تسکین ذرا ہوتی ہے

نالہ کر لینے دیں لِلّٰہ نہ چھیڑیں احباب
ضبط کرتا ہوں تو تکلیف سوا ہوتی ہے

اکبر

۱۰- وحشت

ہیں یہ کیا رنگ تمہارے محسن
سست کیوں ہو مرے پیارے محسن

نہ وہ صورت نہ وہ سیرت تیری
یار کیا ہو گئی حالت تیری

حیف حالت تری دکھ پائی ہوئی
ہائے صورت تری مرجھائی ہوئی

لب پہ آئے ہوئے نالے باہم
ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں ہر دم

جلد ۲

چہرہ ڈوبا ہوا حیرانی میں عرق آیا ہوا پیشانی میں
زردی چھائی ہوئی رخسار دن پر سرسوں پھولی ہوئی انگار دن پر
حسرتیں دل کی عیاں سینے سے جی پریشاں ترا جینے سے
باتیں کرتے ہو تو رُک جاتے ہو آپ ہی چھیڑ کے شرماتے ہو
کبھی ملتے ہو تو بیگانے سے کبھی ہنستے ہو تو دیوانے سے
جم کے بیٹھو تو اٹھانے کے نہیں روٹھ جاؤ تو منانے کے نہیں
کیوں چلے آتے ہیں چپ چپ آنسو کس لئے گرتے ہیں ٹپ ٹپ آنسو
خون میں ڈوبی نگاہیں کیسی ہیں مری جان یہ آہیں کیسی
ہوش میں آؤ سمجھ والے ہو تم تو بے مے پئے متوالے ہو
سو کہیں ایک نہ مانی آخر مٹ گئی تیری جوانی آخر
تھام لے دل تجھے دلبر کی قسم سر اٹھا تجھ کو مرے سر کی قسم

دوستانہ تجھے سمجھاتے ہیں
نہیں سنتا ہے تو ہم جاتے ہیں

محسن کاکوروی

جلد۴

۱۱- دلِ بیقرار کیا ہے

مرے جان نثار کیا ہے مرے غمگسار کیا ہے
تجھے کیوں ہے اتنی الجھن دلِ بیقرار کیا ہے
کوئی پھانس کیا چبھی ہے کوئی چوٹ کیا لگی ہے
کوئی گریہ کا سبب بھی، دلِ اشکبار کیا ہے
نہ یہ کاوشیں ہیں اس میں، نہ یہ شورشیں ہیں اسمیں
تری جوشِ غم کے آگے، غمِ روزگار کیا ہے
تجھے کیوں ہے اس کی خواہش، کہ وہ آئیں تیرے گھر میں
یہ بتا کسی کے دل پر، ترا اختیار کیا ہے

عزیز لکھنوی

۱۲- دل سے دو دو باتیں

دلِ غم نصیب محزوں تو نحیف وزار کیوں ہے
یہی تجھ سے پوچھتا ہوں کہ تو بے قرار کیوں ہے
تجھے اضطرار کیوں ہے

ہے عجیب تیری دھڑکن ہے تڑپ تری نرالی
تو ہے دل مرا کہ دشمن مری جانِ زار کھالی
نہ ہوا تو غم سے خالی

جلد۲

ترے غم کو میں بھی جانوں کہ وہ کس مآل کا ہے
وہ نتیجہ میں بھی دیکھوں جو ترے خیال کا ہے
جو ترے ملال کا ہے

نہ شگفتہ فصل گُل میں نہ کسی چمن میں خنداں
نہ قرار شور و غل میں نہ سکوت میں تو شاداں
تجھے کیا ہوا ہے ناداں

تجھے لے گیا چمن میں کہ کسی طرح کھلے تو
گل و لالہ و سمن میں کرے شکوے اور گلے تو
اگر ان میں کچھ ملے تو

مگر آہ واں بھی دیکھا نہ تری خوشی کا ساماں
گل و سبزہ پر نہ ریجھا نہ نوائے عندلیباں
یہ ہوا ترانہ ریزاں

تجھے بزمِ عیش میں بھی تو بٹھا بٹھا کے دیکھا
تجھے جام۔ دستِ ساقی سے پلا پلا کے دیکھا
غرض آزما کے دیکھا

نہ ہوا قرار تجھ کو کوئی اور آرزو ہے
گُلِ عیش خار تجھ کو تری خو ہیں اور بو ہے
کوئی اور جستجو ہے

تجھے لے چلوں وہاں میں ہیں جہاں چمکتے تارے
کہ تجھے بلا رہے ہیں وہ فلک کے ماہ پارے
ہیں عجیب پیارے پیارے

نہ تجھے ہو ان کی چاہت نہ ہے تیرہ خاکداں کی
نہ زمیں سے تجھ کو الفت نہ محبت آسماں کی
تو ہے آرزو کہاں کی

محروم

۱۳- آتی ہے

صبا میں نکہتِ گیسوئے یار آتی ہے نوید وصل لئے نو بہار آتی ہے
وہ ایک بار اِدھر سے گئی مگر اب تک ہوائے رحمتِ پروردگار آتی ہے
سمائے ہیں وہ آنکھوں میں دل میں بستے ہیں لبوں پہ کس لئے تو جانِ زار آتی ہے

نہ آئے وہ نہ گئے ہم کبھی تو کیا حاصل — ہزار جاتی ہے دنیا ہزار آتی ہے
کشودِ کار نہ ہوا اس سے کیا اگر ہر صبح — مری دعا ترے در پر پکار آتی ہے
خدا کے فضل پہ یہ اعتماد ہے مجھ کو — کہ یاس بن کے یہاں انتظار آتی ہے
خزاں کے جاتے ہی آئیگی فصلِ گل لیکن — ہوا کے گھوڑے پہ وہ بھی سوار آتی ہے
خدا ہی خیر کرے فصلِ گل کی او بلبل — صبا اڑاتی ہوئی کچھ غبار آتی ہے
یہ لطفِ بادہ فروشاں ہے فاقہ مستی میں — کئی برس سے برابر ادھار آتی ہے
اِدھر سے جاتی ہے جو شے وہاں ہی کی ہے — اُدھر سے آتی ہے جو مستعار آتی ہے

دمِ اخیر مجھے بے نظیر مت چھیڑو
کہ نیند اب مجھے بے اختیار آتی ہے

بینظیر

۱۴- دلِ بیقرار سوجا

نہیں وعدۂ بتاں کا کوئی اعتبار سوجا — نہ کر انتظار سوجا، دلِ بے قرار سوجا
وہ کریں گے برق و باراں کا بہانہ مجھ سے آکر — نہ ہو بیقرار سوجا، نہ ہو اشکبار سوجا
جو سمجھ رہا ہے مجھ میں ناداں، تو یہ بات خوب سمجھے — کہ جہاں میں عہدِ خوباں نہیں استوار سوجا

تجھے پھینک آؤں گا میں اُسی در پہ صبح ہوتے
نہ تڑپ کہ رازِ اُلفت نہ ہو آشکار سو جا
پڑی محوِ خوابِ راحت ہے خدائی دیکھ ساری
مگر اک تجھی پہ ظالم، ہے خدا کی مار سو جا

محروم

۱۵- دلِ بیقرار سو جا

کسی مست ناز کا ہے، عبث انتظار سو جا
کہ گزر گئی شب آدھی، دلِ بیقرار سو جا
ابھی دھان پان ہے تو، نہیں عاشقی کے قابل
یہ تپش کا آہ شیوہ نہ کر اختیار سو جا
نہ تڑپنے میں یہ ظالم، تجھے گود میں اٹھا لوں
تجھے سینہ سے لگا لوں تجھے کر لوں پیار سو جا
یہ تری صدائے نالہ مجھے متہم نہ کر دے
مرے پردہ دار سو جا مرے راز دار سو جا
یہ نسیم ٹھنڈی ٹھنڈی یہ ہوا کے سرد جھونکے
تجھے دے رہے ہیں لوری، مرے غمگسار سو جا
تجھے پہلا سابقہ ہے، شبِ غم بُری بلا ہے
کہیں مر مٹے نہ ظالم، دلِ بیقرار سو جا

سرور جہاں آبادی

جلد۲

۱۶-آفتِ دل

روز حالت ہے اک نئی دل کی — کیا بُری چیز ہے لگی دل کی
تیری محفل میں او ستم پرور — یاد ہے مجھ کو بے بسی دل کی
عرضِ مطلب نہ ہو سکا مجھ سے — بات دل ہی میں رہ گئی دل کی
نگہِ لطف دیکھ کر اُس کی — اور حالت بگڑ گئی دل کی
سینہ ہی میں تڑپ تڑپ کے رہا — ہوئی ظاہر نہ بیکلی دل کی
ہے تلوّن کا اُس کے اک پہلو — ہم کو معلوم ہے خوشی دل کی
ہو الٰہی بیان میں تاثیر — پوچھتے ہیں وہ بیکلی دل کی

چین خلوت میں بھی ہوا نہ نصیب
ساتھ آفت لگی رہی دل کی

ھادی

۱۷-دل کی بیکلی

مرے بس میں یا تو یا رب وہ ستم شعار ہوتا — یہ نہ تھا تو کاش دل پر مجھے اختیار ہوتا

جو نگاہ کی تھی ظالم تو پھر آنکھ کیوں چرائی
وہیں تیر کیوں نہ مارا جو جگر کے پار ہوتا
وہ مزا دیا تڑپ نے کہ یہ آرزو ہی یارب
مرے دونوں پہلوؤں میں دلِ بیقرار ہوتا جلد ۴

دمِ رخصت اُن کا کہنا کہ یہ کاہے کا ہے رونا
تمھیں میری قسموں کا بھی نہیں اعتبار ہوتا

امیر

۱۸۔ ضبطِ عشق

عشق کو ضبط کیے بیٹھے ہیں، دل میں اک درد لئے بیٹھے ہیں
زرد چہرہ ہے نگاہیں مایوس ہونٹوں تک آتی ہیں آہیں مایوس
ظاہرا کوئی نہیں ہے آزار لاکھوں بیمار کے لیکن بیمار
اشک آنکھوں سے نہ گرنے والے اپنے ہی حلقہ میں پھرنے والے
طبع کو شوق تلاشِ خلوت بات کرنے میں ہر اک سے نفرت
پہردں خاموش ہی بیٹھے رہنا سنبھلے رہنا جو کبھی کچھ کہنا
پوچھنے والے نے پوچھا جو مزاج کہدیا کل سے تو اچھے ہیں آج
ہوش اڑنے پہ بھی اتنا ہی خیال کہ نہ سمجھے کوئی پابندِ ملال

جلد ۱۴

خود کہیں عقل کہیں ذہن کہیں — یہ تو سب کچھ ہے تصوّر ہی دہیں
نہیں معلوم کہاں بیٹھے ہیں
آج بیٹھے ہیں جہاں بیٹھے ہیں

محشر

۱۹- یادِ یار

جب سے تجھ سے جدا ہوا ہوں میں — اِک مصیبت میں مبتلا ہوں میں
یاد رہتی ہے ہر گھڑی تیری — صورت آنکھوں میں ہے کھڑی تیری
تن یہاں ہے تو جاں ہے تیرے پاس — کہئے اب کیا ہے زندگی کی آس
یاد ہے تیری رات دن مجھ کو — جان دوبھر ہے تیرے بن مجھ کو
کام کوئی کیا نہیں جاتا — شغل کوئی بھی خوش نہیں آتا
دِل کے بہلانے کو جو ہو مضطر — جاؤں دریا و کوہ و صحرا پر
جی بہلتا نہیں وہاں بھی مرا — ساتھ ہو دل کے واں بھی دھیان ترا
فکر کھانے کی ہے نہ پینے کا ہوش — بھول دل سے گیا ہوں سب خور و نوش
کپڑے میلے ہیں گر تو فکر نہیں — غسل کی یاد آئے۔ ذکر نہیں

بولنا کچھ کسی سے بار ہے اب   بات کرنا ہی ناگوار ہے اب
گر کھڑا ہوں تو سخت حیرت ناک
اور جو بیٹھا تو جان غم سی ہلاک

جلالہ

سحر

۲۰- دردِ فراق

اے پپیہے بس خدا کے واسطے چپ ہو ذرا   رات آدھی آگئی ظالم تجھے کیا ہو گیا
تیرے پی پی کہنے سے وہ بیوفا یاد آئے ہے
جا ری کوئل باوری مت کوک اتنا زور سے   ٹیس اٹھتی ہے جگر میں ہائے تیرے شور سے
تو جدا اڑ جائے ہے اور وہ جدا اڑ جائے ہے
کیوں یہ آہِ سرد ہے کس واسطے رخ زرد ہے   اشک کیوں آنکھوں میں ہیں دل کیوں سراپا درد ہے
آج اے توفیق کیوں اس طرح جی گھبرائے ہے

توفیق

۲۱- فرقت کی رات

یہ شبِ فرقت بھی کیسی رات ہے   ایک میں ہوں اور خدا کی ذات ہے

جلد ۱

کس قدر تاریک ہے اندھیر ہے — رات ہے یا پردۂ ظلمات ہے
ہول آتا ہے درو دیوار سے — ہو نہ ہو یہ لشکرِ آفات ہے
چین اب آتا کسی کروٹ نہیں — کس مصیبت میں بسر اوقات ہے
درد دل میں اور کلیجے میں جلن — اور وحشت مجھکو ساری رات ہے
آدھی دنیا سو رہی ہے چین سے — میرا سینہ مرجعِ آفات ہے
ہائے بےچینی قلق اور اضطراب — درد بیٹھا بیٹھا ساری رات ہے
آہ سینے میں مرے اک آگ ہے — نارِ دوزخ جس کے آگے مات ہے
ہائے مایوسی دباتی ہے گلا — دم نکل جائے تو اچھی بات ہے
میں تو گنتے گنتے گھڑیاں تھک گیا — کیا قیامت سی بھی لمبی رات ہے
کوئی دیکھے تو گھڑی کیا وقت ہے — کتنی گزری کتنی باقی رات ہے

ہائے کب اس رات کی ہوگی سحر
یہ عذابِ نزع ہے یا رات ہے

خان احمد حسین خان

۲۲- رات کے بےچین گھنٹے

دنیا تمام غفلت کی نیند سو رہی تھی — اور شورشِ جہاں تک خاموش ہو رہی تھی

سناٹا کل فضائے عالم میں چھا چکا تھا　　پچھلے پہر کا گھنٹہ بارہ بجا چکا تھا
وقتِ رواں کا ہر دم ہوتا تھا یہ اشارہ　　اے سونے والو دیکھو تم مجھ کو آشکارا
میرا قدم ازل سے کل کائنات پر ہے　　اک نقشِ پا ہے دن پر اور ایک رات پر ہے
خمخانۂ فلک میں رندوں کا جمگھٹا تھا　　محفل سکوت کی تھی اور دور چل رہا تھا
چوٹی سے کوہِ نو کی تھی جوئے نور جاری　　اور روشنی کا گویا برسا رہی تھی پانی
میں نے جو غور کر کے دیکھا تو چاند تھا وہ　　بادل کی جھاڑیوں میں تھا راہ ڈھونڈتا وہ

تنہائی محض نے ایسا مجھے ابھارا
بے اختیار ہو کر میں نے اسے پکارا

اے پھرنے والے دشتِ غربت میں آسماں کے　　اے رہ نوردِ یوسفِ انجم کے کارواں کے
اے رات کے مسافر بے زادِ راہ و ساماں　　کس منہ سے اپنے گھر ہم تجھ کو بلائیں مہماں
گھر کیسا؟ آہ گھر بھی تو یاں نہیں کوئی ہے　　ہر شے میں غیریت ہے ہر چیز اجنبی ہے
لیکن نہیں بٹانے کو تیرا ہاتھ میں ہوں　　چل جس طرف کو چلنا ہے تیرے ساتھ میں ہوں
اس دیس میں جدا ہوں آ کر تباہ میں بھی　　تیری طرح چلا ہوں بے زادِ راہ میں بھی
پھرتا ہوں زندگانی کے توسنِ رواں پر　　اک پاؤں ہے زمیں پر اور ایک آسماں پر
تیری طرح ابھر کر جاتا ہوں ڈوب میں بھی　　یعنی طلوع ہوتا ہوں اور غروب میں بھی

گھبرے ہوئے مجھے بھی تاریکی محن ہے — تیری طرح سے میرے بھی واسطے گہن ہے
گھٹتی ہوں گاہ روشن اور گاہ ماند میں ہوں — بس ایک چاند تو ہے اور ایک چاند میں ہوں
تو وہ کہ تجھ سے روشن ہوتی ہے آدھی دنیا — میں وہ کہ مجھ سے رونق پکڑے ہے ساری دنیا
ساری زمین پُر انجم ہے میری روشنی سے — دن ہو رہا ہے میری بجلی کی روشنی سے

اے ماہِ آسماں من آں ذرّۂ زمینم
صد ماہ چوں تو پنہاں در جیب آستینم

اے چاند حال میرا تجھ سے چھپا نہیں ہے — تو اور میں کوئی یاں دوسرا نہیں ہے
یہ سب تو شاعرانہ میری تعلّیاں تھیں — لفّاظیاں تھیں اور سب رنگیں بیانیاں تھیں
سُن کان دھر کے اپنی بیتی تجھے سناؤں — میرا تو حال یہ ہے میں تجھ سے کیا چھپاؤں
طوفاں کا جیسے مارا ساحل کو ڈھونڈھتا ہو — یا وہ تھکا ہوا جو منزل کو ڈھونڈھتا ہو
یا جیسے وہ پتنگا جو کھیل جائے جی پر — اور دوڑ کر گرے جو شعلے کی روشنی پر
یا جس طرح وہ بیوہ جو غم میں جل رہی ہو — اور خاک اپنے شوہر کی جو کُریدتی ہو
صدیاں گذر گئی ہیں مجھ کو تلاش کرتے — خالق کو اور اس کے اسرار فاش کرتے
جانچی ہیں میں نے برسوں خورشید کی شعاعیں — ذرّوں پہ میں نے برسوں دوڑائی ہیں نگاہیں
تہ تک سمندروں میں غوطے لگا گیا ہوں — پتّال تک زمیں کے اندر چلا گیا ہوں

تحت الثریٰ سے گذرا اُڑتا زقند بھرتا
چمکا کبھی افق پر خورشیدِ شرق بن کر — افلاک پھاڑتا اور اجسام قطع کرتا
اونچا بہت غباروں میں بیٹھ کر اڑا ہوں — تڑپا کبھی فضائے عالم میں برق بن کر جلد۴
سیرِ عدم کر آیا میں اسپیشل اڑاتا، — بادل میں چھپ گیا ہوں تاروں میں مل گیا ہوں
جنت میں جا کے وعظے لے آیا حوروں میں — گذرا صراط پر سے بائیسکل اڑاتا،
شمس و نجوم کی ہیں رفتار دیکھ آیا — دوزخ کا دیکھ آیا دروازہ دور سے میں
کیا دورہ کواکب اور کیا قیامِ شمسی — اور کائنات کے کُل اسرار دیکھ آیا
گردش کی شکل میں نے اس طرح کھینچ دی ہے — دیکھا پڑا ہے میرا سارا انتظامِ شمسی
دنیا کا کام سارا مجھ سے نکل رہا ہے — گویا زمین میری انگلی پہ گھومتی ہے
لیکن تمام اس سر گردانی کا نتیجہ — یہ کارخانہ میرے پُرزوں سے چل رہا ہے
تحقیق اور تجسس کے دام میں پھنسا ہوں — یہ ہے۔ کہ سر جھکائے افکار میں ہوں بیٹھا
کہنے کو ہوں میں فارغ کہلانے کو ہوں کامل — وسواس میں گھرا ہوں! وہم میں پھنسا ہوں
سب زندگی کی خوشیاں میں خاک میں ملا کر — جو چیز ہے فراغت مجھ کو کہاں ہے حاصل؟
صحرا میں آہو بھرتے ہیں جب کلیلیں، — بیٹھا ہوں دونوں ہاتھوں پہ اب دھرے ہوئے سر
گھستے ہیں جب کہ بھونرے پھولوں کے جامِ مُل پر — بے فکر ہو کے جب وہ سبزے پہ لوٹتے ہیں
جب بلبلیں مچاتی ہیں شور شاخِ گُل پر

Acc. No: 303

جلد۴

چشموں پہ غول باندھی چڑیاں جب آگری ہیں — جب پروں سے اپنے پانی اُچھالتی ہیں
اُس وقت میرے دل پر اک ابر چھا گیا ہی — اور وہ برس کے گھنٹوں مجھ کو رلا گیا ہے
اُس وقت میں نے جانا بس زندگی یہی ہے — اصلی خوشی یہی ہے زندہ دلی یہی ہے
پھر سوچ کر کہ میرا کیا حال ہی میں کیا ہوں — بس چوندھیا گیا ہوں ایسا کہ چیخ اُٹھا ہوں
باز آیا علم و فن کی میں ایسی روشنی سے — گذرا میں ایسے جینے اور ایسی جانکنی سے
اے لذتوں کے پھندو تم میری جان چھوڑ دو — اے حوصلو مجھے تم کوئی تو آن چھوڑ دو
اے علم میں فضیلت سے تیری باز آیا — اے عقل میں ہدایت سے تیری باز آیا
روز اک نہ اک بکھیڑا تو نے لگا دیا ہے — جب تو نے رائے دی ہی مجھکو پھنسا دیا ہی
اے عشق جان تجھ سے اپنی بچا رہا ہوں — اے شوق تجھ سے پیچھا اپنا چھڑا رہا ہوں
جس راہ تم نے چاہا ہی مجھ کو لے چلے ہو — تم کھینچتے چلے ہو تم پھیلتے چلے ہو
آہ اے امید تو نے مجھ کو بہت تھکایا — اے آرزو کے پودو کچھ تم سے پھل نہ پایا
اے جذب حُسن اور اے جوشِ شباب رخصت — اے ذوق و شوق عشقِ خانہ خراب رخصت
بس اے عروسِ دنیا اب میں الگ ہوں گا — اب ای بہشت تجھ کو میں لے کے کیا کروں گا

در محفلے کہ یاراں شربِ مدام کردند
چوں نوبتِ من آمد آتش بجام کردند

اے چاند دو بجے ہیں اور میں بھی تھک گیا ہوں — یہ نیند کا نشہ ہے جو کچھ بہک گیا ہوں
غم نامہ سن چکا تو میرا مری زبانی — زنہار تو کسی سے کہنا نہ یہ کہانی جلد۴
تو شورشِ جہاں میں مہرِ سکوتِ شب ہے — لوحِ طلسم ہے تو ٹوٹا تو بس غضب ہے
ہیں سربمہر قدرت کے راز تیرے سر میں — اِس میکدے کی کنجی ہے تیری ہی کمر میں
میں ہوں کلیم تیرا اور شمعِ طور تو ہے — نادر کے دل نہاں میں کو وہ نور تو ہے
پروانہ میں ازل سے تیرے چراغ کا ہوں — بچپن سے جرعہ کش ہوں تیرے ایاغ کا ہوں
اے جامِ خوابِ راحت میرے قریب آجا — آنکھوں میں میری مل جا دل میں مرے سما جا
یہ تھوڑی رات جو ہے کٹ جائے مجھ کو سوتے — اور تازہ دم میں اُٹھوں ایسا کہ صبح ہوتے
رکھ دوں طلسمِ بحرِ ظلمت کو توڑ کر میں (ق)، موتی کی طرح نکلوں دامن نچوڑ کر میں

بس آنکھ بند کرکے خاموش ہو گیا میں
دو جھونکے ایسے مجھکو آئے کہ سو گیا میں

نادر کاکوروی

۲۳۔ شبِ غم

وُہی شام دُھندلی دُھندلی وُہی رات کالی کالی
وُہی خامشی ہوا میں وُہی بدلیوں کی جالی

جلد ہم

وُہی شمع بُجھی بُجھی مرے ساتھ رونے والی
وُہی میں وہی مرا دل وہی مشورے خیالی
شبِ غم بُری بلا ہے، شبِ غم بری بلا ہے

مرے گھر میں کیوں خموشی مرے دل پہ کیوں تباہی
یہ مکان ہے یا کہ صحرا میں مکیں ہوں یا کہ راہی
درِ بام پر ہے اکثر شبِ گور کی سیاہی
میں ہوں زندہ یا کہ مردہ مجھے کیا ہوا الٰہی
شبِ غم بُری بلا ہے۔ شبِ غم بُری بلا ہے

میں کسے یہاں پکاروں کہ نہیں نشاں کسی کا
نہ قدم کی کوئی آہٹ نہ گزر یہاں کسی کا
ہے جہاں میں کوئی مونس کوئی رازداں کسی کا
ہے مکیں یہاں کا تنہا یہ بھی ہے مکاں کسی کا
شبِ غم بُری بلا ہے شبِ غم بری بلا ہے

ترے رحم سے بسر ہو یہ شبِ محن الٰہی
نظر آئے پھر کسی کی مجھے انجمن الٰہی

مری روح چھوڑ جائے نہ دیارِ تن الٰہی
کہیں دامنِ شبِ غم نہ بنے کفن الٰہی
شبِ غم بُری بلا ہے شبِ غم بُری بلا ہے

محروم

جلد ۴

۲۴- نامرادی

پسِ مرگ میرے مزار پر جو دیا کسی نے جلا دیا
اُسے آہ دامنِ باد نے سرِ شام ہی سے بجھا دیا
ابھی آنکھ جھپکی تھی ایک پل تو کہا یہ جی نے کہ اُٹھ کے چل
دلِ بیقرار نے آن کر مجھے چٹکی سے کے جگا دیا
نہ تو تاب ہے تنِ زار میں نہ قرار ہے غمِ یار میں
مجھے سوزِ عشق نے آخرش یوں ہی مثلِ شمع گھلا دیا

نیاز

۲۵- ابتدائے اُلفت

ہم اُنھیں دیکھا کئے اور وہ ہمیں دیکھا کئے
ہائے وہ پہلی نگاہیں، اجنبیت کے مزے

جلدیم
وہ نگاہِ شوخ کی گستاخیاں وہ جرأتیں ہمت افزا تھوڑی تھوڑی واقفیت کے مزے
شوق افزوں مانعِ عرض تمنا دابِ حسن بارہا دل نے اٹھائے ایسی حالت کے مزے
وہ نہ جانا محفلِ جاناں میں بلوائے پہ بھی وہ خیالِ امتحانِ جذبِ الفت کے مزے

ہائے آخر ہو گئی برہم مری بزمِ نشاط
چرخ کو بھائے نہ میرے عیش و عشرت کے مزے

محروم

۳۶- اختلاط

ہو چکا وعدہ کہ کل آئیے گا دیکھئے اب نہ بدل جائیے گا
وعدہ آنے کا جو فرمائیے گا جیسے آج آئے تھے کل آئیے گا
اتنی گھر جانے کی جلدی کیا ہے بیٹھئے جائیے گا جائیے گا
کہتے ہیں کہہ تو دیا آئیں گے اب یہ کیا چڑھ ہے کہ کب آئیے گا

رات اپنی ہے ٹھہرئیے تو ذرا
آئیے بیٹھئے، گھر جائیے گا

امیر

جلد ۴

۲۷- یادِ ایّام

ایّامِ وصال بھی تھے کیا دن
راتیں تھی مراد مُدّعا دن
محسوس نہ تھا کہاں گئی رات
معلوم نہ تھا کدھر گیا دن
کیا جلد گذر گئے وہ دن حیف
ہوتا کوئی اور بھی سوا دن
تھی رات بہت دنوں سے اچھی
راتوں سے زیادہ خوب تھا دن
تھی بزمِ وصال۔ دن ہوا رات
تھی دیدِ جمال۔ شب ہوا دن
دنیا میں بزرگ تھی وہی رات
تھا عمر میں بس وہی بڑا دن
ہر صبح عجیب۔ شام نادر
ہر رات جدید اور نیا دن
تھی دن کو خوشی کہ آئی رات
تھی شب کو مسرت آیا دن
عالم کو زبس کہ ہے تغیّر
رہتے نہیں ایک سے سدا دن
تھا خواب و خیال وہ زمانہ
بجلی ہوئی رات۔ اور ہوا دن
دن رات یہی فغاں ہے لب پر
وہ رات رہی نہ وہ رہا دن

اسمٰعیل

۲۸۔ شکوۂ ناز

جلد ۴

جو خفا ہو گئے تھے لوگوں کے بہکانے سے
ہاتھ گردن میں نہ ڈالو، نہ ملو تم ہو ہی

؟

۲۹۔ باتیں

ہم سمجھتے ہیں یار کی باتیں
دل سمجھتا ہے پیار کی باتیں

تم سے ملنے میں یہ ملا ہم کو
سُننی پڑتی ہیں چار کی باتیں

پھر اُدھر سے چلا ہمیں دیکھو
اِس دلِ بیقرار کی باتیں

یاد آتا ہے ہائے رہ رہ کر
وہ زمانہ وہ پیار کی باتیں

وعدہ کرنا وفا نہیں کرنا
ہیں یہی اعتبار کی باتیں

فصلِ گُل اب کہاں خزاں آئی
ہے فسانہ بہار کی باتیں

آج بہکے ہوئے سے ہیں عالیؔ
ہیں یہ شاید خمار کی باتیں

عالی

جلد۴

۳۰- پھول اور پیام

(انگریزی ترجمہ سے)

جا اُو گلِ گلاب تو کارِ ثواب کو
میرا پیام دے مری عصمت مآب کو

کیوں مفت کھو رہی ہے وہ یوں وقتِ مغتنم
کیا جانتی نہیں تو کہ فرصت بہت ہے کم

اس وقت آتشیں ہیں وہ رخسار پھول سے
منہ سے بھی چھوٹے ہیں نرم گفتار پھول سے

گر وہ ہے شمعِ حسن تو پروانہ میں بھی ہوں
ہے وہ پری جمال تو دیوانہ میں بھی ہوں

لازم ہے شکرِ نعمتِ پروردگار اُسے
واجب ہے فکرِ گردشِ لیل و نہار اُسے

کیا مال ہے یہ حسن اگر قدرداں نہ ہو
مجنوں نہ ہو تو لیلی کی بھی داستاں نہ ہو

اے گُل تو ہی بتا کہ تجھے گر بجائے باغ
بہرِ نشیمن آج ملا ہوتا کوئی راغ

خوبی کو تیری دیکھنے والا بھی تھا کوئی
سو جاں سے تیرا والہ و شیدا بھی تھا کوئی

ایسا ہی وہ مری سمن اندام نازنیں
جنگل میں کوہ و دشت میں ہوتی اگر کہیں

اہلِ نظر کی جس جگہ ہوتی نہ دسترس
اور ایک ساں ہی ہوتے جہاں ناکس اور کس

واں جنسِ حسن ہوتی خریدار بن پڑی
اور دل ربا وہ۔ ہوتی طلب گار بن کھڑی

پیغام میرا دے کے اُسے اے گل گلاب
مرجھا نا بے دریغ۔ وہیں کھا کے پیچ و تاب

جلد ہو شاید کہ تیرے مرنے سے ہشیار ہو کے وہ انجامِ حسن دیکھ لے بیدار ہو کے وہ
جانے کہ کوئی گل کا سا رنگیں قبا بھی ہو شیریں سے بڑھ کے گو کوئی شیریں ادا بھی ہو
قبضے میں اس کے حسن کا حصہ ہے چند روز دنیا میں حسن و عشق کا قصہ ہے چند روز
جو فائدہ اٹھانا ہو اس سے اٹھائے جلد
دل میں سما چکی ہے نظر میں سمائے جلد

۹

۳۱۔ مقصودِ الفت

کیا مرے حسنِ دلآویز پہ تو مرتا ہے شعلہ رُوئی پہ مری جان فدا کرتا ہے
یہ اگر سچ ہے تو جا مجھ سے محبت مت کر نگہِ عشق رخِ مہرِ جہاں تاب پہ ڈال
حسنِ بےمثل کو جس کے نہ اجل ہے نہ زوال
کم سنی پر مری مائل ہے طبیعت تیری حسنِ نوخیز سے وابستہ ہے الفت تیری
یہ اگر سچ ہے تو جا مجھ سے محبت مت کر تری الفت کے ہے قابل رخِ زیبائے بہار
جس پہ ہر سال نیا حسن نرالا ہے نکھار
چاہتا ہے مجھے تو کیا مری دولت کے لئے دل ہے بیکل ترا میرے زر و حشمت کے لئے

یہ اگر سچ ہے تو جا مجھ سے محبت مت کر
چاہیئے تجھکو کرے بحر گہر خیز سے پیار
جس کے انمول جواہر کا نہیں کوئی شمار جلد ۴
پیار مجھ سے ہی تجھے کیا مری الفت کے لئے
دل ہے پروانہ ترا شمعِ محبت کے لئے
یہ اگر سچ ہے تو کر مجھ سے محبت پیارے
بہتر از مہر و بہاراں دلِ شیدا میرا
بحر میں بھی نہیں ایسا گہرِ مہر و وفا

نیرنگ

۳۲- نشاطِ امید

اے مری امید مری جاں نواز
اے مری دلسوز مری کارساز
میری سپر اور مرے دل کی پناہ
درد و مصیبت میں مری تکیہ گاہ
عیش میں اور رنج میں میری شفیق
کوہ میں اور دشت میں میری رفیق
کاٹنے والی غمِ ایام کی
تھامنے والی دلِ ناکام کی
دل پہ پڑا آن کے جب کوئی دکھ
تیرے دلاسے سے ملا ہم کو سکھ
تو نے نہ چھوڑا کبھی غربت میں ساتھ
تو نے اٹھایا نہ کبھی سر سے ہاتھ
جی کو ہوا اگر کبھی عسرت کا رنج
کھول دیئے تو نے قناعت کے گنج

جلد۴

تجھ سے ہی محتاج کا دل ہے ہرا   تجھ سے ہی بیمار کو جینے کی آس
خاطرِ رنجور کا درماں ہے تو   عاشقِ مہجور کا ایماں ہے تو
نوحؑ کی کشتی کا سہارا تھی تو   چاہ میں یوسفؑ کی دل آرا تھی تو
رام کے ہمراہ چڑھی رن میں تو   پانڈوؤں کے ساتھ پھری بن میں تو
تو نے سدا قیس کا بہلایا دل   تھام لیا جب کبھی گھبرایا دل
ہوگیا فرہاد کا قصّہ تمام   پر ترے فقروں پہ ہا خوش مدام
ہوتی ہے تو پشت پہ ہمت کے جب   مشکلیں آسان نظر آتی ہیں سب
ہاتھ میں جب آکے لیا تو نے ہاتھ   سات سمندر سے گزرنا ہے بات
ساتھ ملا جس کو ترا دو قدم   کہتا ہے وہ یہ ہے عرب اور عجم
تو نے دیا آکے ابھارا جہاں   سمجھے کہ مٹھی میں ہی سارا جہاں

ذرّے کو خورشید میں دے تو کھپا
بندے کو اللہ سے دے تو ملا

جب کہ ہمایوں سے چھٹا ملک و تخت   اور پھنسا بندِ حوادث میں سخت
یار۔ رہا۔ اور نہ کوئی غمگسار   دوست و دشمن کے لگے چلنے وار
پھر گئے دلدادۂ فرماں تھے جو   چھٹ گئے وابستۂ داماں تھے جو

گھر میں نہ رہنے کی ملی کوئی راہ — ملک میں لی غیر کے جا کر پناہ
ہوگئے اغیار، یگانے سبھی — تو نے مگر ساتھ نہ چھوڑا کبھی
چھوٹ گئے سارے قریب اور بعید — ایک نہ چھوٹی تو نہ چھوٹی امید
تیرے ہی دم سے کٹے جو دن تھے سخت — تیرے ہی صدقہ سے ملا تاج و تخت
خاکیوں کی تجھ سے ہی ہمّت بلند — تو نہ ہو تو کام ہوں دنیا کے بند

تجھ سے ہی آباد ہیں کون و مکاں
تو نہ ہو تو ہو ابھی برہم جہاں

وعدے وفا کرتی ہے گو چند تو — رکھتی ہے ہر ایک کو خورسند تو
بھاتی ہے سب کو تری لیت و لعل — تو نے کہاں سیکھی ہے یہ آج کل
تلخ کو تو چاہے تو شیریں کرے — بزمِ عزا کو طرب آگیں کرے
آنے نہ دے رنج کو مفلس کے پاس — رکھے غنی اُس کو ہے جس کے پاس
یاس کا پاتی ہے جو کچھ لگاؤ — سیکڑوں کرتی ہے اتار اور چڑھاؤ
آنے نہیں دیتی دلوں پر ہراس — ٹوٹنے دیتی نہیں طالب کی آس
جن کو میسّر نہیں کملی پھٹی — خوش ہیں توقع پہ وہ زربفت کی
چٹنی سے روٹی کا ہے جن کی بناؤ — بیٹھے پکاتے ہیں وہ خیالی پلاؤ

پاؤں میں جوتی نہیں پر ہے یہ ذوق — گھوڑا جو سبزہ ہو تو نیلا ہو طوق
فیض کے کھولے ہیں جہاں تو نے باب — دیکھتے ہیں جھونپڑے محلوں کے خواب
تیرے کرشمے ہیں غضب دلفریب — دل میں نہیں چھوڑتے صبر و شکیب
تجھ سی ہوس نے جو شوری لیا — پھونک دیا کان میں کیا جانے کیا
دل سے بھلایا زن و فرزند کو — لگ گیا گھن نخلِ برومند کو
کھانے سے پینے سے ہوا حرج — ایسی کچھ اکسیر کی لو لگ گئی
دین کی ہے فکر نہ دنیا سے کام — دھن ہے یہی رات دن اور صبح شام
دھونکنی ہے بیٹھ کے جب ہونکتا — شہ کو سمجھتا ہے اِک ادنیٰ گدا
پیسے کو جب تاؤ یہ دیتا ہے تاؤ — پوچھتا یاروں سے ہے سونے کا بھاؤ
کہتا ہے جب ہنستے ہیں سب دیکھ کر — رہ گئی اک آنچ کی باقی کسر
ہے اسی دھندے میں وہ آسودہ حال — تو نے دیا عقل پہ پردہ سا ڈال
پھرتے ہیں محتاج کئی تیرہ بخت — جن کے بڑوں میں تھا کبھی تاج و تخت
آج جو برتن ہے تو کل گھر گرو — ملتی ہے مشکل سے انہیں نانِ جو
تیرے سوا خاک نہیں ان کے پاس — ساری خدائی میں ہے لے دے کے آس
پھولے سماتے نہیں اس آس پر — "صاحبِ عالم" انہیں کہیے اگر

جلد ۲

کھاتے ہیں اس آس پہ قسمیں عجیب
"جھوٹے کو ہو تخت نہ یا رب نصیب

ہوتا ہے نومیدیوں کا جب ہجوم
آتی ہے حسرت کی گھٹا جھوم جھوم
لگتی ہے ہمت کی کمر ٹوٹنے
حوصلہ کا لگتا ہے جی چھوٹنے
ہوتی ہے بے صبری و طاقت میں جنگ
عرصۂ عالم نظر آتا ہے تنگ
جی میں یہ آتا ہے کہ سم کھائیے
پھاڑ کے یا کپڑے نکل جائیے
بیٹھنے لگتا ہے دل آوے کی طرح
یاس ڈراتی ہے چھلاوے کی طرح
ہوتا ہے شکوہ کبھی تقدیر کا
اڑتا ہے خاکہ کبھی تدبیر کا
ٹھنتی ہے گردوں سے لڑائی کبھی
ہوتی ہے قسمت کی ہنسائی کبھی
جاتا ہے قابو سے دل آخر نکل
کرتی ہے ان مشکلوں کو تو ہی حل
کان میں پہنچی تری آہٹ جو ہیں
رختِ سفر یاس نے باندھا وہیں
ساتھ گئی یاس کے پژمردگی
ہو گئی کافور سب افسردگی

تجھ میں چھپا راحتِ جاں کا ہے بھید
چھوڑیو حالیؔ کا نہ ساتھ اے امید

حالی

جلد۴

۳۳- امید کا سہارا

بس اے ناامیدی نہ یوں دل بجھا تو جھلک اے امید اپنی آخر دکھا تو
ذرا ناامیدوں کی ڈھارس بندھا تو فسردہ دلوں کے دل آکر بڑھا تو

ترے دم سے مردوں میں جانیں پڑی ہیں
جلی کھیتیاں تو نے سرسبز کی ہیں

بہت ڈوبتوں کو ترایا ہے تو نے بگڑتوں کو اکثر بنایا ہے تو نے
اُکھڑتے دلوں کو جمایا ہے تو نے اُجڑتے گھروں کو بسایا ہے تو نے

بہت تو نے پستوں کو بالا کیا ہے
اندھیرے میں اکثر اُجالا کیا ہے

قوی تجھ سے ہمّت ہے پیر و جواں کی بندھی تجھ سے ڈھارس ہے خورد و کلاں کی
تجھی پر ہے بنیاد نظم جہاں کی نہ ہو تو تو رونق نہ ہو اس دکاں کی

تگاپو ہے ہر مرحلے میں تجھی سے
رواروہے ہر قافلے میں تجھی سے

حالی

جلد ۴

۴۳- زمزمۂ نشاط

زندگی مزے کی ہے۔ لطفِ جاں اٹھائے جا
لطفِ جاں اٹھائے جا۔ یہ مزے اڑائے جا

حملہ ہائے فکر و غم۔ ہوں اگرچہ دمبدم
وار سب بچائے جا۔ فکر و غم ہٹائے جا

ظلمِ دشمناں سہی۔ جورِ دوستاں سہی
رشکِ رازداں سہی بھول جا بھلائے جا

داغِ رفتگاں سہی۔ سوزشِ نہاں سہی
داغ یہ چھپائے جا۔ آگ یہ بجھائے جا

ماجرائے حسن و عشق۔ خارِ دل اگر بنے
دل سے تو نکال پھینک یہ خلش مٹائے جا

زندگی کہیں جسے۔ وہ تو سیلِ آب ہے
بہہ چلی اور بہائے جا۔ بہہ چلی اور بہائے جا

شب زیادہ شمع کم۔ ہے اگر تو کیا ہے غم
جب تلک کہ جل سکے بیدھڑک جلائے جا

مغتنم ہے ساقیا۔ فرصت انبساط کی
پی بھی اور پلائے جا۔ پی بھی اور پلائے جا

ماضی پہ خاک ڈال۔ کل یہ چھوڑ کل کا حال
جام و شیشہ اب سنبھال۔ دورِ مے چلائے جا

جو ہوا سو ہو چکا۔ عاقبت کی فکر کیا
آج ہے بڑا مزا۔ یہ مزا اڑائے جا

میری جانِ عندلیب بامِ شاخسار سے
تختِ نو بہار سے۔ فرطِ انبساط سے
مستیِ نشاط سے۔ خوب چہچہائے جا
خوب چہچہائے جا۔ فصلِ گل منائے جا

جلد۴

فصلِ گل منائے جا۔ راگنی سنائے جا
راگنی سنائے جا۔ یہ دل مرا لبھائے جا
محوِ نغمۂ طرب۔ تو مجھے بنائے جا
راگ رنگ مل گئے۔ میں سنوں تو گائے جا
گائے جا بجائے جا۔ خوب چہچہائے جا
مست نغمۂ نشاط۔ تو مجھے بنائے جا

تیری زندگی ہے راگ، میری زندگی ہے رنگ

اے خیالِ ابتدا۔ اے خیالِ انتہا
اے خیالِ احتیاط۔ اے خیالِ احتیاج
اے خیالِ معصیت۔ اے خیالِ معدلت
اے ہوائے آرزو۔ اے امید و بیم تو

دو گھڑی تو چین لے۔ اتنا مت ستائے جا
اتنا مت ستائے جا۔ ہوش مت اڑائے جا
میری پیاری عندلیب تو بھی چہچہائے جا
جستجوئے عیش میں۔ عمر مت گنوائے جا
اشتیاقِ انبساط۔ دل سے تو بھلائے جا

گل چمن دکھائے جا۔ سبزہ لہلہائے جا
ہائے وہ تو اڑ گئی۔ لو یہ کیا سنا گئی
بے طلب تو ہاتھ آئے اور طلب سے بھاگ جائے

خدمتِ خدا و خلق۔ ہے نشاطِ زندگی
اِس میں اپنا جان و مال۔ شوق سے لگائے جا

اعجاز حسین بی۔اے

۳۵۔ راحتِ یاس

دم ناک میں کیا تھا طوفانِ غم نے میرا
ٹکڑے جگر کیا تھا حسرت کے سم نے میرا
خرمن جلا دیا تھا برق الم نے میرا
میں جان دے چکا تھا تو نے مجھے بچایا
اے یاس تیرے صدقے تو نے مجھے بچایا

کیا سبز باغ برسوں امید نے دکھائے
تھے وعدے اس کے جھوٹے سب میں نے آزمائے
دم بازیوں سے اُس کی دھوکے بہت سے کھائے
پھندے سے اس کے تو نے آخر مجھے چھڑایا
اے یاس تیرے صدقے تو نے مجھے بچایا

امید کے وہ وعدے جھوٹی ہوائیاں تھیں
سب جَو فروشیاں تھیں گندم نمائیاں تھیں
دن رات کوششیں تھیں اور نارسائیاں تھیں
دھوکے کا تو نے پردہ آخر کو آ اُٹھایا
اے یاس تیرے صدقے تو نے مجھے بچایا

کیا آرزو کی تپ تھی کیا شوق کا جنوں تھا
تن من جلا رہا تھا کیا شعلۂ درون تھا

جلد؟ حرماں کے نشتر دن سے دل تھا کہ غرقِ خوں تھا   زخموں پہ جاں کے تونے مرہم سا آ لگایا

اے یاس تیرے صدقے تونے مجھے بچایا

کیا آہِ سرد تونے ٹھنڈی ہوا چلائی   گہری سی نیند جس سے دردِ دروں کو آئی
کیا آس تونے میٹھی لوری سی آ سنائی   کیا بھیروں کی دُھن میں تونے گنگنایا

اے یاس تیرے صدقے تونے مجھے بچایا

کیا سکھ کی زندگی ہے اب شوق ہے نہ حسرت   نے آرزو نہ حرماں دونوں پہ بھیجو لعنت
اے یاس تجھکو شاباش اے یاس تجھ پہ رحمت   اُمید دور ہو چل۔ تونے بہت ستایا

اے یاس تیرے صدقے تونے مجھے بچایا

گزری گی خوب اپنی اب میں ہوں اور تو ہے   تجھ کو ہی مجھ سے اُلفت یاں تیری جستجو ہے
میں جسم ہوں تو جاں ہے میں پھول ہوں تو بو ہے   یہ شکر ہے خدا نے مجھ سے تجھے ملایا

اے یاس تیرے صدقے تونے مجھے بچایا

نیرنگ

۳۶۔ جوگی

کل صبح کے مطلعِ تاباں سے جب عالم بقعۂ نور ہوا
سب چاند ستارے ماند ہوئے، خورشید کا نور ظہور ہوا

مستانہ ہوائے گلشن تھی جانانہ ادائے گلبن تھی
ہر وادی وادیٔ ایمن تھی ہر کوہ پہ جلوہ طور ہوا جلد۱

جب بادِ صبا مضراب بنی ہر شاخِ نہالِ رباب بنی
شمشاد و چنار ستار بنے ہر سرو و سمن طنبور ہوا

سب طائر مل کر گانے لگے عرفان کی تانیں اڑانے لگے
اشجار بھی وجد میں آنے لگے دلکش وہ سماعِ طیور ہوا

سبزے نے بساط بچھائی تھی اور بزمِ سرور سجائی تھی
بن میں گلشن میں آنگن میں فرشِ سنجاب و سمور ہوا

تھا دلکش منظرِ دشت و جبل اور چال صبا کی مستانہ
اس حال میں ایک پہاڑی پر جا نکلا ناظرؔ دیوانہ

چیلوں نے جھنڈے گاڑے تھے پربت پہ چھاؤنی چھائی تھی
تھے خیمے ڈیرے بادل کے کہرے نے قنات لگائی تھی

یاں برف کے تودے گلتے تھے چاندی کے فوارے چلتے تھے
چشمے سیماب اگلتے تھے نالوں نے دھوم مچائی تھی

یاں قلۂ کوہ پہ رہتا تھا اک مست قلندر بیراگی
تھی راکھ جٹوں میں جوگی کے اور انگ بھبوت رمائی تھی

تھا راکھ کا جوگی کا بستر اور راکھ کا پیراہن تن پر
جلد ۲
تھی ایک لنگوٹی زیبِ کمر جو گھٹنوں تک لٹکائی تھی

سب خلقِ خدا سے بیگانہ وہ مست قلندر دیوانہ
بیٹھا تھا جوگی مستانہ آنکھوں میں مستی چھائی تھی

جوگی سے آنکھیں چار ہوئیں اور جھک کر ہیں نے سلام کیا
تب آنکھ اٹھا کر ناظرؔ سے یوں بن باسی نے کلام کیا

کیوں بابا۔ ناحق جوگی کو تم کس لئے آکے ستاتے ہو
میں پنکھ پکھیرو بن باسی تم جال میں آکے پھنساتے ہو

کوئی جھگڑا دال چپاتی کا کوئی دعویٰ گھوڑے ہاتھی کا
کوئی شکوہ سنگی ساتھی کا تم ہم کو سنانے آتے ہو

ہم حرص و ہوا کو چھوڑ چکے اس نگری سے منہ موڑ چکے
ہم جو زنجیریں توڑ چکے تم لاکے وہی پہناتے ہو

تم پوجا کرتے ہو دھن کی ہم سیوا کرتے ہیں ساجن کی
ہم جوت لگاتے ہیں من کی تم اس کو آکے بجھاتے ہو

سنسار سے یاں مکھ پھیرا ہے من میں ساجن کا ڈیرا ہے
یاں آنکھ لڑائی پیتم سے تم کس سے آنکھ ملاتے ہو

جلد۲

اس مست قلندر جوگی نے جب ناظرؔ پر یہ عتاب کیا
کچھ دیر تو ہم خاموش رہے پھر جوگی سے یہ خطاب کیا

ہیں ہم پردیسی سیلانی مت ناحق طیش میں آ جوگی
ہم آئے تھے تیرے درشن کو چتون پہ میل نہ لا جوگی

آبادی سے منہ پھیرا کیوں پربت میں کیا ہے ڈیرا کیوں
ہر محفل میں ہر منزل میں ہر دل میں ہے نورِ خدا جوگی

کیا مندر میں کیا مسجد میں سب وجہ اللہ کا جلوہ ہے
پربت میں نگر میں ساگر میں ہر اترا ہے ہر جا جوگی

جی شہر میں خوب بہلتا ہے، واں حسن پہ عشق مچلتا ہے
واں پریم کا ساغر چلتا ہے چل دل کی پیاس بجھا جوگی

واں دل کا غنچہ کھلتا ہے ہر رنگ میں موہن ملتا ہے
چل شہر میں سنکھ بجا جوگی بازار میں دھونی رما جوگی

اِن چکنی چپڑی باتوں سے مت جوگی کو پھسلا بابا
جو آگ بجھائی جتنوں سے مت اس پہ تیل گرا بابا

ہیں شہروں میں غل شور بہت اور حرص و ہوا کا زور بہت
بستے ہیں نگر میں چور بہت سادھو کی ہے بن میں جا بابا

جلد ہم

یاں شہر میں شورشِ نفسانی، جنگل میں ہے جلوۂ روحانی
ہے نگری ڈگری کثرت کی، بن وحدت کا دریا بابا

ہم جنگل کے پھل کھاتے ہیں، چشموں سے پیاس بجھاتے ہیں
راجہ کے نہ دوارے جاتے ہیں، پرجا کی نہیں پروا بابا

سر پر آکاس کا منڈل ہے، دھرتی پہ سہانی مخمل ہے
دن کو سورج کی محفل ہے، شب کو تاروں کی سبھا بابا

جب جھوم کے یاں گھن آتے ہیں، مستی کا رنگ جماتے ہیں
چشمے طنبور بجاتے ہیں، گاتی ہے ملار ہوا بابا

یاں پنچھی مل کر گاتے ہیں، پیتم کے سندیس سناتے ہیں
یاں روپ انوپ دکھاتے ہیں، پھل پھول اور برگ گیا بابا

ہے پیٹ کا ہر دم دھیان تمھیں اور یاد نہیں بھگوان تمھیں
سل، پتھر، اینٹ، مکان تمھیں دیتے ہیں سکھ سے چھڑا بابا

تن من کو دھن میں لگاتے ہو، پیتم کو دل سے بھلاتے ہو
ماٹی میں لعل گنواتے ہو، تم بندۂ حرص و ہوا بابا

دھن دولت آنی جانی ہے یہ دنیا رام کہانی ہے
یہ عالم عالمِ فانی ہے۔ باقی ہے ذاتِ خدا بابا

ناظر

۳۷۔ دُنیا کی محبّت

لگاؤ نہ اس دارِ فانی سے دل — عیاں اُس کی ہیں سُست پیمانیاں
جو یاں آج ہے جوشِ عیش و نشاط — تو کل حسرتوں کی ہیں طُغیانیاں
پھر آرام برسوں نہیں یاں نصیب — اگر چار دن ہیں تن آسانیاں
"چمن ہے کہ ہے سیمیائی نمود — یہ کہتی ہیں نرگس کی حیرانیاں
گُل آوازِ بُلبل پہ ہیں ہنس رہے — کہ "کے دن کی ہیں یہ خوش الحانیاں"
متاعِ وفا کا ہی دُنیا میں کال ق — مگر گاہکوں کی ہیں ارزانیاں
لگا دیتے ہیں اُس کی قیمت میں جو — شہنشاہیاں اور سُلطانیاں
کھلونوں پہ مرتے ہیں سر پھوڑ پھوڑ — یہ داناؤں کی یاں ہیں نادانیاں
جھپٹتے ہیں مُردار کی پا کے بُو — یہ ہیں شیر مردوں کی جولانیاں
بنی نوع کے دوست کرتے ہیں آہ — بنی نوع پر آتش افشانیاں

جلد۴

کلیجے کے ٹکڑوں سے ہوتی ہیں یاں سدا چیل کوّوں کی مہمانیاں
جہاں سوزیوں کا ہے گویا کہ نام جہانداریاں اور جہاں بانیاں
ڈبوتی ہیں آخر کو منجھدار میں یہ فرعونیاں اور ہامانیاں
محبت کا دُنیا کے حالیؔ مآل
پشیمانیاں ہیں پشیمانیاں

حالیؔ

۴۸۳۔ بے ثباتیٔ دُنیا

کیا کہوں حالِ دردِ پنہانی وقت کوتاہ و قصّہ طولانی
عیش دنیا سے ہو گیا دل سرد دیکھ کر رنگِ عالمِ فانی
کچھ نہیں جز طلسم و خوابِ خیال گوشۂ فقر و بزمِ سلطانی
ہے سراسر فریب وہم و گماں تاجِ فغفور و تختِ خاقانی
بے حقیقت ہے شکلِ موجِ سراب جامِ جمشید و راحِ ریحانی
لفظِ مہمل ہے نطقِ اعرابی حرفِ باطل ہے عقلِ یونانی
ایک دھوکا ہے لحنِ داؤدی اک تماشا ہے حُسنِ کنعانی

نہ کروں تشنگی سے تر لبِ خشک
چشمۂ خضر کا ہو گر پانی
لوں نہ اک مشتِ خاک کے بدلے
گر ملے خاتمِ سلیمانی

بحرِ ہستی بجز سراب نہیں
چشمۂ زندگی میں آب نہیں

جس سے دُنیا نے آشنائی کی
اس سے آخر کو کج ادائی کی
تجھ پہ بھولے کوئی عبث اے عمر
تو نے کی جس سے بیوفائی کی
ہے زمانہ وفا سے بیگانہ
ہاں قسم ہم کو آشنائی کی
یہ وہ بے مہر ہے کہ ہے اس کی
صلح میں چاشنی لڑائی کی
ہے یہاں حظِّ وصل سے محروم
جس کو طاقت نہیں جدائی کی
خندۂ گل سے بے بقاتر ہے
شان ہو جس میں دلربائی کی
جنس کاسد سے ناروا تر ہے
خوبیاں جس میں ہوں خدائی کی
بات کھوئی رہی سہی افسوس
آج خاقانی و سنائی کی

رشکِ عرفی و فخرِ طالب مُرد
اسداللہ خان غالب مُرد

حالی

جلد۲

۹۳- بے ثباتیٔ دنیا

بقائے جہاں اعتباری نہیں کوئی شے یہاں اختیاری نہیں
کبھی جلوہ گر دن کبھی رات ہی جہاں مطلع اختلافات ہے
کبھی چاند ڈوبا کبھی آفتاب زمانہ ہے یا ورطۂ انقلاب
جہاں تھی خراماں نسیمِ بہار وہاں اڑ رہا ہی خزاں کا غبار
ہزاروں شگوفے کھلے تھے جہاں ہر اک پتا نہیں اب وہاں
وہ گلشن جو تھا رشکِ باغِ ارم وہاں تنکا تنکا ہی اب خارِ غم
جہاں ڈھیر پھولوں کے تھے بیشمار وہاں آج ہر سو ہیں انبارِ خار
تھی طوبیٰ کو جس گلستاں کی ہوس وہاں بیدِ مجنوں کا سایہ ہے بس
ملے چین کیا دورِ افلاک میں ہزاروں بھرے گھر ملے خاک میں
کہاں بزمِ کیخسرو و جشنِ جم خوشی چل بسی اور باقی ہے غم
محل جنکے تھے قطعۂ نو بہشت وہ ہیں ریزہ ریزہ تہِ کہنہ خشت
جو تاروں بھری رات کے چاند تھے وہ مہ رد سحر ہوتے ہی ماند تھے
کسی سے کہاں ساتھ میلے چلے اکیلے سب آئے اکیلے چلے

نہ عاشق نہ کوئی حسیں رہ گیا
گیا جو وہاں بس وہیں رہ گیا
نہیں اشک کیا چشمِ نمناک میں
غضب صورتیں مل گئیں خاک میں
وہ گلرو تھے جو حسن و خوبی میں فرد
ہوا میں اُڑی پھرتی ہے ان کی گرد
مہ و خور کے جو داغ سینوں کے ہیں
یہ سب داغِ غم ان حسینوں کے ہیں
نہ لیلی نہ مجنوں ہیں زیرِ فلک
مگر نوحہ خوانِ عشق ہے اب تلک
وہ جو اوج میں رشکِ افلاک تھے
وہ گرتے ہی اک تودہ خاک تھے
جو مشہور تھے گنج میں زور میں
نہیں ہڈیاں اُن کی اب گور میں
مکیں وہ نہیں وہ مکاں بھی نہیں
بہت ناموں کے نشاں بھی نہیں
مگر ہاں جو مل جائے انجام نیک
حیاتِ ابد ہے یہی نام نیک

بینظیر

۴۰- یادِ ویرانہ

پڑا ہے آج جو یہ بے مکیں ویرانہ
بنا دیا ہے جسے بیکسی نے غمخانہ
کسی زمانہ میں عیش و طرب کا یہ گھر تھا
چہل پہل تھی غضب کی غضب کا یہ گھر تھا

اگرچہ اب نہ رہا بام و در کا وہ نقشہ
مگر مجھے نہیں بھولا ہے گھر کا وہ نقشہ

یہاں تھا صحن وہاں سائبان ادھر دالان
ادھر کو آہ تھی اک کوٹھری رفیع الشان

ادھر کو وہ مری خلوت تھی آہ خوش منظر
پرانے تاڑ یہ آتے تھے جس جگہ سے نظر

میں گرمیوں میں یہاں آہ شام کو اکثر
تھا لیٹتا کبھی ہلکی سی اک مسہری پر

وہ چھوٹی چڑیوں کا کنگنی پہ تیری اے دیوار
چہک چہک کے ہم آہنگیوں سے گانا ملار

ڈلا ڈلی مری بچپن کی فاختہ ہے کدھر
تھا آشیانہ کبھی آہ جس کا کوٹھے پر

غضب کی درد بھری جس کی تھی کبھی "کو کو"
تھی دوپہر کو جو سرگرمِ نالۂ "یاہو"

گذر گئی ہو نہ جی سے اجل نصیب کہیں
کہ اب نظر نہیں آتی مجھے غریب کہیں

میں کاش اس کے پر و بال کا نشاں پاتا
تو پاس رکھ کے دلِ غمزدہ کو بہلاتا

یہاں یہ آہ! وہ دالان تھا جو خوش منظر
میں گرمیوں میں جہاں محوِ خواب تھا اکثر

اسی کی اک یہ شکستہ ہے رہ گئی دیوار
اسی کی ہائے! یہ خستہ ہے رہ گئی دیوار

یہیں تو راتوں کو جلتے تھے خوشنما فانوس
یہیں بلور کے روشن تھے جا بجا فانوس

یہیں کے فرش پہ میں لوٹتا تھا بچپن میں
کہ چاندنی میں یہیں کھیلتا تھا آنگن میں

نوشتہ سرستی تھی دیوار تیرے منظر سے
کہ تجھکو آہ محبت تھی میرے گھر بھر سے

مری رفیق تھی اور میری ہمخیال تھی تو — کہ رنج و عیش میں میری شریکِ حال تھی تو
مرا تھا ان دنوں ساون میں جب مرا بھائی — اُداسی چہرے پہ گھر بھر کے غم میں تھی چھائی
پڑا ہوا تھا میں اک کھری چارپائی پر — ملول و خستہ و ماتم زدہ لپیٹے سر
تو غمزدہ سی تھی اس وقت تو بھی اے دیوار — اُداس مجھکو نظر آتے تھے ترے رُخسار
جگرخراش فسانہ وہ یاد ہے اگلا — کہ گرمیوں کا زمانہ وہ یاد ہے اگلا
وہ چلچلاتی ہوئی دھوپ جیٹھ کی وہ سموم — وہ دل ملول وہ چہرہ فسردہ و مغموم

تھی دے رہی مجھے جب گرمیوں کے دن آزار
تو ہو رہی تھی پریشان تو بھی اے دیوار

کدھر ہے آہ وہ عہدِ گزشتہ اے دیوار — گزر گئے مرے طفلی کے کیا وہ لیل و نہار
وہ کم سنی کا زمانہ نہ آئے گا پھر کیا — وہ دن نہ مجھکو زمانہ دکھائے گا پھر کیا
ملے تھے مجھکو جو طفلی کے آہ دن دو چار — وہ گزرے گود میں تیرے ہی ای مری غمخوار
تجھی نے مجھکو سکھائے خرام کے انداز — تجھی نے مجھکو بتائے خرام کے انداز
وہ چھوڑ دینا لڑکپن میں مجھکو دایہ کا — ترے سہارے سے چلنا وہ سیکھنا میرا
وفا کے اگلے وہ پیمان یاد ہیں تیرے — مُربیہ مجھے احسان یاد ہیں تیرے
مچل کے جب کسی شے پر میں روٹھ جاتا تھا — کسی کی گود میں جب آہ میں نہ آتا تھا

تو تجھ سے لگ کے میں ہو جاتا تھا کھڑا دیوار — ملا کے تجھ سے میں رہتا تھا غمزدہ رخسار

جلد۴ اُداس دیکھ کے مجھکو گلے سے لپٹا کر — لگا کے سینے سے آنسو تھی پونچھتی اکثر

نہیں ہوں آہ لڑکپن کی وہ ادا بھولا — میں جب بڑا ہوا اور گیند کھیلنا سیکھا

مرے رفیق نہ جب کھیلنے کو آتے تھے — نکل کے گھر سے کہیں ابر میں نہ جاتے تھے

برستی ہوتی تھی جب گھر میں مینہ کی بوچھاڑ — تو کھیلتا تھا میں اُس وقت تجھ سے اے دیوار

تجھے میں گیند تھا دیتا مجھے تو دیتی تھی
بلائیں دور سے ہو کر نثار لیتی تھی

بجا ہے آہ یہ میرا خیال کیا دیوار — کہ تو مجھے بھی نہ بھولی ہو اے مری غمخوار

مگر یقین مرے دل کو آہ کیونکر ہو — کہ میری یاد ابھی نقش تیرے دل پر ہو

خدا کرے مجھے اے کاش تو نہ بھولی ہو — مجھے بھی آہ تری آرزو نہ بھولی ہو

اگرچہ دور رہا تجھ سے میں فراق نصیب — اگرچہ سائے سے تیرے بچھڑ گیا میں غریب

گزر گئے تری فرقت میں آہ کتنے سال — رہا میں وادئ غربت میں آہ کتنے سال

میں گو رہینِ ستمہائے روزگار رہا — ترے خیال سے غافل نہ زینہار رہا

زمانہ یاد لڑکپن کا جب کبھی آیا — ترا خیال وہیں بن کے بیکسی آیا

تھا اتفاق کہ تیرے قریب آ نکلا — اِدھر کو بھول کے میں غمِ نصیب آ نکلا

نصیب پھر ترا دیدار دیکھئے کب ہو ادھر کو عزم دلِ زار دیکھئے کب ہو
جُدا میں ہوتا ہوں تجھ سے ترا خدا حافظ
نکلتی ہے مرے دل سے دُعا خدا حافظ

سرور جہان آبادی

۱۴۔ محفلِ برہم

محفل برخاست ہے، پتنگے رخصت شمعوں سے ہو رہے ہیں
ہے کوچ کا وقت۔ آسماں پر تارے کہیں نام کو رہے ہیں
اُن کی بھی نمود ہے کوئی دم وہ بھی نہ رہیں گے جو رہے ہیں
دنیا کا یہ رنگ اور ہم کو کچھ ہوش نہیں ہے سو رہے ہیں
ارباب کمال چل بسے سب
تنہا ہیں کہیں ایک دو رہے ہیں

عمر برق و شرار ہے دنیا کتنی بے اعتبار ہے دنیا
داغ سے کوئی دل نہیں خالی کیا کوئی لالہ زار ہے دنیا

آنے جانے پہ سانس کی ہے مدار سخت ناپائیدار ہے دنیا
ایک جھونکے میں ہے ادھر سے اُدھر چار دن کی بہار ہے دنیا
بدتر اس کو سمجھ خزاں سے امیرؔ
دیکھنے کو بہار ہے دنیا

امیرؔ

۴۲۔ عبرت

دیکھیں پروانے کو دعووں پہ ابھرنے والے عشق اسے کہتے ہیں یوں مرتے ہیں مرنے والے
نہ رہا یاد انھیں کیا اثرِ فصلِ خزاں کیوں جوانانِ چمن پھر ہیں سنورنے والے
تیز رفتار نہ ہو اس قدر اے موجِ صبا
تجھ میں کچھ قطرے ہوا سے ہیں ابھرنے والے

مسرت ہوئی ہنس لئے دو گھڑی مصیبت پڑی رو کے چپ ہو رہے
اسی طور سے کٹ گیا روزِ زیست
سلایا شبِ گور نے سو رہے

اکبر الٰہ آبادی

۴۲۔ موت

اے موت بحر و بر پہ ہی سکہ رواں ترا — ظالم، مطیعِ حکم ہے سارا جہاں ترا
راہِ جفا پہ کوئی نہیں ہم عناں ترا — توسن رواں ہی صورتِ برقِ تپاں ترا
کچھ کچھ شریکِ جور ہے گو آسماں ترا — لیکن وہ دوں خصال بھی ثانی کہاں ترا
تو پھول توڑ لیتی ہی اس کے چمن سے بھی
ہر صبح ہے رُخِ مہ و انجم پہ مُردنی

ماتم کدہ یہ دہر جو ہی تیرے دم سے ہی — ویراں ہر ایک شہر جو ہی تیرے دم سے ہی
دریائے غم میں لہر جو ہی تیرے دم سے ہی — نالوں میں لہر بہر جو ہی تیرے دم سے ہی
امرت جہاں میں زہر جو ہی تیرے دم سے ہی — جینا خدا کا قہر جو ہی تیرے دم سے ہی
جو دل ہی تیرے داغ سی یاں لالہ زار ہی
ماہی سے ماہ تک جو ہے سو داغدار ہی

مارا کسی غریب کو تو نی وطن سے دُور — ماں باپ سے بہت پرے بھائی بہن سی دُور
لاشہ کوئی پڑا ہی مزار و کفن سی دُور — دستِ صدائے شیون و شورِ محن سی دُور
پھولوں کی آہ ناز بھری انجمن سی دُور — گھونٹا گلا ہزار کا صحنِ چمن سی دُور

جلد ۴

گھیرا کسی کو ورطۂ دریا کے درمیان
پھانسا کسی کو دامنِ صحرا کے درمیان

تو جس کا بچہ لے گئی اُس ماں کا حال دیکھ
جاری ہیں اشک گرچہ ہوئے ماہ و سال دیکھ
اے موت دیکھ طولِ زمانِ ملال دیکھ
اب تک اڑی ہیں گرد سی سب سر کی بال دیکھ
ایسی بھی غمزدوں کی کہیں ہے مثال دیکھ
ہر وقت رونے دھونے سے آنکھیں ہیں لال دیکھ
نورِ نظر کے غم میں یہ اتنا جو روئے گی
آنکھیں تو خیر جان کو اک روز کھوئے گی

اے موت آہ تیرے ستائے ہوئے یتیم
نقشِ غلط کی طرح مٹائے ہوئے یتیم
وہ سیلِ اشکِ خوں میں بہائے ہوئے یتیم
سوزِ غمِ نہاں کے جلائے ہوئے یتیم
دوشِ پدر سے خاک پہ آئے ہوئے یتیم
گودی سے ماں کی آہ چھڑائے ہوئے یتیم
روتے ہیں اور دیتے ہیں رو رو دعا تجھے
اِن کو رُلا کے موت بھلا کیا ملا تجھے

عاشق کو آ کے حُسن کا جلوہ دکھا گئی
دل آگیا کسی پہ تو بس موت آگئی
پروانے کے شکار کو شمعیں جلا گئی
گُل بہرِ عندلیب چمن میں کھلا گئی
جھونکوں میں جب سموم کے ظالم سما گئی
دم میں چراغِ ہستیٔ گُل کو بجھا گئی

صیّاد بن کے مُرغِ چمن زاد پر گری
اور برق ہو کے خانۂ صیّاد پر گری
جلدؔ

اے موت مت ڈرا مجھے مجھکو فنا نہیں
چلنے کا مجھ پہ نام کو جادو ترا نہیں
کچھ ابتدا نہیں ہے مری انتہا نہیں
میں وہ ہوں مجھ سی چھیڑ کی لینا بجا نہیں
تیری رسائی جسم سی آگے ذرا نہیں
ہاں جسم تیرا مال ہے بیشک مرا نہیں
شمشان تیری آگ مجھے کب جلا سکے
آغوشِ قبر تو بھی مجھے کیوں کر دبا سکے

محروم

۴۴- آنی جانی

عدم سے بشر آئے گا ایک دن
زمانہ کہے گا اُسے نیک دن
لڑکپن کے دن ہوں گے شاہی کے دن
محبّت کے دن بے گناہی کے دن
خوشی ان دنوں نور برسائے گی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائے گی
پھر آئے گا مدہوش کرنے شباب
رہے گا خیالِ شراب و کباب
کبھی جوشِ مستی۔ کبھی نوشِ خواب
نہ فکرِ ثواب و نہ خوفِ عذاب

گھٹا دل پہ پندار کی چھائیگی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائے گی

جلد۴

سپاہی جواں مرد کہلائے گا   لڑائی میں زخمِ گراں کھائیگا
غش آئے گا سیروں لہو جائیگا   کراہے گا تڑپے گا چلائیگا
قضا بوند پانی کو ترسائیگی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائیگی

بشر ہوگا عالم میں ذی احتشام   بڑھے گی لیاقت سے شہرت تمام
رہے گی نہ شہرت بھی اس کی مدام   کہ شہرت کو بھی یاں نہیں ہے قیام
یہ شہرت نیا رنگ چمکائیگی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائیگی

زمانہ کرے گا جواں کو ادھیڑ   توانائی کا ہوگا پژمردہ پیڑ
لگائے گا اسپِ جوانی کو ایڑ   نقاہت کرے گی قواؤں سے چھیڑ
طبیعت اس آفت سے گھبرائیگی
مگر یہ گھڑی بھی گذر جائیگی

بڑھاپے سے ہوگا بڑا انقلاب   نہ ہوگی دلیری. نہ ہوگا شباب

ضعیفی کرے گی کُل اعضا خراب
یہاں تک کہ جینا بھی ہو گا عذاب
اجل چیل سی سر پہ منڈلائیگی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائیگی

مرض موت کا جب اُٹھائے گا سر
دوا کر کے ہاریں گے کُل چارہ گر
بگڑ جائے گا کھیل سب سر بسر
بَن آئے گی بیمار کی جان پر
بڑی سختیاں نزع دکھلائیگی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائیگی
طالب بنارسی

۴۵۔ مثالِ زندگی

تارا فلک سے جیسے گرے کوئی ٹوٹ کر
اور گرتے ہی نظر سے ہو غائب زمین پر
یا جیسے گرم سرعتِ پرواز ہو عقاب
یا موسم بہار کا اُٹھتا ہوا شباب
یا جیسے گُل پہ صبح کو شبنم ہو قطرہ ریز
یا جیسے بادِ تند ہو طوفاں میں موج خیز
یا جیسے سطح آب پہ اُبھرے کوئی حباب
یونہی بشر ہے دہر میں تصویرِ انقلاب
آیا ادھر نسیم کا جھونکا اُدھر نہ تھا
پانی میں بُلبُلا ادھر اُبھرا اُدھر نہ تھا
شبنم اُڑی نظر جو پڑی آفتاب کی
پرواز تھی نہ چشم زدن میں عقاب کی

آئی خزاں تو موسمِ گُل کا نشاں نہ تھا تارا اگر اُٹو گر کے تجلّی فشاں نہ تھا جلد۴
آئی قضا نمودِ وجودِ بشر نہ تھی
تھی اِک طلسمِ ہستیٔ بودِ بشر نہ تھی

شاد بجوانیہ

۴۶۔ موت کی گھڑی

موسمِ خاص میں ہوتے ہیں شجر برگ فشاں
پھُول مُرجھاتے ہیں جب باغ میں آتی ہی خزاں

صبح ہوتی ہی تو ہوتے ہیں ستارے پنہاں
لیکن اے موت مقرر ہے ترا وقت کہاں

دن کو ہوتا ہے غمِ دہر سے ہر ایک کو کام
دوست مِل جائیں بہم آتی ہی اِس واسطے شام

رات ہوتی ہے کہ ہو سب کو مُیسّر آرام
لیکن اے موت ترے آنے کے ہیں وقت تمام

ہم کو معلوم ہے کب بدر کو ہونا ہے ہلال
اُڑ کے کب جائیں گے مرغانِ ہوا سوئے شمال
کب خزاں آ کے گلستاں کو کرے گی پامال
کون بتلائے کہ کب کیجے ترا استقبال

کیا وہ موسم ہے ترا جب کہ بہار آتی ہے
اور صبا حسنِ گلِ تر کو نکھار آتی ہے
یا خزاں باغ میں جب لے کے غبار آتی ہے
نہیں ہر وقت تو کرنے کو شکار آتی ہے

تو وہاں بھی ہے جہاں ملتے ہیں دو سینہ فگار
دُکھڑے رونے کے لیے بیٹھ کے زیرِ اشجار
تو وہاں بھی ہے جہاں ملتی ہیں فوجیں خونخوار
اور دکھاتی ہے جہاں رزم میں جوہر تلوار

بحر و بر سب کو ہے منظور اطاعت تیری
کر رہی کام ہوا میں بھی ہے طاقت تیری

جلد۴

دل سے راحت میں بھی جاتی نہیں ہیبت تیری
ہم جہاں جائیں نظر آتی ہے صورت تیری

شاکر میرٹھی

۴۷- نزع

نزع کا وقت بُرا وقت ہے خالق کی پناہ
ہے وہ ساعت کہ قیامت سی سوا ہوتی ہے
روح تو ایک طرف ہوتی ہے رخصت تن سے
آرزو ایک طرف دل سے جُدا ہوتی ہے
جسم تو خاک میں ملجاتے ہوئے دیکھتے ہیں
روح کیا جانے کدھر جاتی ہے کیا ہوتی ہے

اکبر

۴۸- دمِ واپسیں

آہ کیسا ہے وقت دردانگیز
کیسا نظارہ ہے یہ رقت خیز
اُف ہے کیسا یہ دلخراش سماں
عالمِ نزع میں ہے ایک جواں
اک طرف دوست آشنا ہیں کھڑے
اِک طرف غم میں اقربا ہیں کھڑے

اِک عجب خامشی کا عالم ہے جس کو دیکھو وہ چشم پُرنم ہے
کوئی فکرِ دوا میں ہی مصروف کوئی دل سے دعا میں ہی مصروف
سرنگوں اک طرف طبیب کھڑے
سب ہیں بیمار کے قریب کھڑے
آہ اب اس مریض کی حالت ہو گئی اور بھی ردی حالت
رُخ کی رنگت بھی اب بدلنے لگی نبض بھی اب تو سست چلنے لگی
اور حالت بگڑ گئی دیکھو سانس بھی اب اُکھڑ گئی دیکھو
کھُلتی ہے اب زباں بھی دقت سے دیکھو آنکھیں بھی لگ گئیں چھت سے
ایک بچّی بھی ہے قریب کھڑی متحیر وہ بدنصیب کھڑی
دیکھ کر سب کے مُنہ پہ رنج و ملال کچھ نہ سمجھی کہ کیا ہے باپ کا حال
دیکھا جب سب کو چُپ کھڑے ہیں اُداس
دوڑی اندر گئی وہ ماں کے پاس
غمزدہ ماں بھی سر جھکائے ہوئے اشک آنکھوں میں ڈبڈبائے ہوئے
کیسی حالت بنائے بیٹھی ہے لَو خدا سے لگائے بیٹھی ہے
آہ معصوم بچی نے جا کر کر دیا ماں کا اور ٹکڑے جگر

جلد۴

گود میں جا کے پہلے بیٹھ گئی ۔ پھر جھپٹ کر گلے سے یہ بولی
آپ چپ چاپ کیوں ہیں بیٹھی ہائیں ۔ کس لیے رو رہی ہو امّاں جان
ابا کمرے میں چپ پڑے ہیں کیوں ۔ لوگ گھیرے ہوئے کھڑے ہیں کیوں
اور بھی لوگ آتے جاتے ہیں ۔ میرے ابا کو کیوں ستاتے ہیں
چل کے کمرے میں سب کو منع کرو ۔ نیند آتی ہے شاید ابا کو
اُس کی اس بھولی بھالی باتوں نے ق دل ہلا دینے والی باتوں نے
کیا کیا ہائے ماں کے دل پہ اثر ۔ کر دیا اور ٹکڑے ٹکڑے جگر
دل میں سمجھی کہ اب ہی حالت غیر ۔ چیخ اُٹھی کہ ہو الٰہی خیر

حال اب کیا کروں رقم آگے
اب تو چلتا نہیں قلم آگے

انجم

۴۹ - پیامِ مرگ

جس پہ دنیا کی دوا اور دعا صرف ہوئی ۔ اس کی صحت کا نہ پہلو کسی عنواں نکلا
سو رتقدیر سے تدبیر بگڑتی ہی گئی ۔ جس کو کہتے تھے مرض موت کا ساماں نکلا

تپ تپ خلق میں پیدا نہیں جس تپ کی دوا
درد وہ درد نہ جس درد کا درماں نکلا
دل شکن حوصلہ فرسا تھا وہ ہنگام کہ جب
دیکھ کر نبض مسیحا بھی پریشاں نکلا
بے بسی چارہ گروں کی تھی عجب درد فزا
آس سے یاس ہوئی یاس سے حرماں نکلا
بسترِ خاکِ لحد پر تو ملی چین کی نیند
تجھ پہ قربان کہو اب تو یہ ارماں نکلا
خوابِ راحت سے اُٹھو آؤ کوئی بات کرو
کہو کیا ماحصلِ ہستیٔ امکاں نکلا
راز کچھ عالمِ بالا کے بھی معلوم ہوئے
کچھ پتہ ہستیٔ مابعد کا اے جاں نکلا
دیکھو سو مرتبہ تاراجِ خزاں ہو ہو کر
پھول پھر نکلے ہیں پھر سبزۂ بُستاں نکلا
تم کہاں جا کے چھپے ہو کہ نکلتے ہی نہیں
چھُپ کے سو مرتبہ پھر مہرِ درخشاں نکلا

اعجاز

۵۰ - مرثیۂ فرزند

رکھا تھے دامن میں ہی کیسے گُلِ تر کو
رکھ آنکھ میں اے قبر مرے نورِ نظر کو
ہر آگ لگی آگ لگے، اُس کے اثر کو
جاتا ہی کہاں نالۂ دل پھونک کی گھر کو

جلد ۴

پہلو میں ہمارے غضب اک پھانس چبھی ہے ۔۔۔ رہ رہ کے بڑھاتی ہے وہی دردِ جگر کو
یکساں ہے مرے گھر میں شب روز کا عالم ۔۔۔ پھرتے ہیں مہ و مہر لیے شام و سحر کو
جیب خاک سے بچتے نہیں پُر ورد دامن ۔۔۔ کیا لے کے کریں لالہ و گل لعل و گہر کو
شب گورِ عزیزاں میں بسر کرتے ہیں اے موت ۔۔۔ ہم شام کو جاتے ہیں آتے ہیں سحر کو
مقبول دعائیں نہیں ہوتیں یہ نہیں ہیں ۔۔۔ قسمت میں ترستا ہی ترستے ہیں اثر کو

گریاں ہیں ریاض آپ غمِ مرگ میں کس کے
درپیش یہی راہ ہے ہر فرد بشر کو

ریاضؔ

۵۱۔ جنازۂ پسر

کدھر چلے مرے لختِ جگر کوئے کے عزیز ۔۔۔ کہاں یہ دفن کی اس نوجواں کے کی تجویز
کسی کو بھی نہیں افسوس نیک بد کی تمیز ۔۔۔ ملانے خاک میں جاتا ہے کوئی ایسی چیز

گئی جو ہاتھ سے نعمت تو قدرِ نعمت کیا
مگر خود اس کے مٹانے میں ایسی عجلت کیا

تھمو تھمو کہ اس اُجڑے مکاں کا تھا یہ چراغ ۔۔۔ بہار پر تھا اسی نونہال سے یہ باغ
نہ ہوگا اب مجھے حاصل کبھی جہاں میں فراغ ۔۔۔ تمام عمر دلِ ناتواں ہے اور یہ داغ

فغانِ بلبلِ جاں دل کے پار ہوتی ہے
نظرؔ کے باغ سے رخصت بہار ہوتی ہے

اُسی کی ذات سے تھی بزمِ آرزو روشن — یہی تھا اپنے چراغِ اُمید میں روغن
اُسی سے خانۂ دل میں تھا جلوۂ ایمن — یہی جمال تھا اس آئینہ میں عکس فگن
اسی کے نور کی لو قلب کے چراغ میں تھی
یہی تھی روح یہی راح اس ایاغ میں تھی

ہزار ناز سے اس لختِ دل کو پالا تھا — کبھی نہ دھوپ میں باہر اسے نکالا تھا
اسی سے خانۂ تاریک میں اُجالا تھا — قمر تھا یہ تو نظرؔ اس قمر کا ہالا تھا
مجھے بھی دفن کرو اس کے ساتھ تربت میں
یہ کس طرح سے اکیلا رہے گا غربت میں

نظرؔ

۵۲ - انجامِ غم

دن رات کی یہ بے چینی ہے یہ آٹھ پہر کا رونا ہے
آثار بُرے ہیں فرقت میں معلوم نہیں کیا ہونا ہے

کیوں پست ہوئی ہے ہمتِ دل کیوں دکھ رہی ہے مایوسی جلد ۴
کوشش تو ہم اپنی سی کر لیں، ہوگا تو وہی جو ہونا ہے

دنیا کے لئے ہنگامے تھے، خلق ایک طرف آپ ایک طرف
اب شہرِ خموشاں عالمِ ہُو، مٹی ہے لحد کا کونا ہے

اکبر

۵۴۔ کسی لڑکے کا مدرسہ میں انتظار

(ویربھان ایک نہایت ہونہار لڑکا دس بارہ سال کی عمر چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا چیچک نکلی اور عین امتحان کے دن ملکِ بقا کو روانہ ہوا)

آ جلد پہنچ مدرسے اے ویربھان آج — تجھکو خبر نہیں ہے کہ ہے امتحان آج
ہیں آئے بیٹھے کب سے ترے ہم سبق یہاں — آنا بھی تھا سویرے کہ ہے روز امتحاں
اتنی تو دیر کرنے کی عادت نہ تھی تجھے — کچھ غیر حاضری سے محبت نہ تھی تجھے
تو سب سے پہلے، روز پہنچتا تھا مدرسے — کیوں گھر پہ آج رہ گیا کیا ہو گیا تجھے
کھولی نہیں ہے کیا ابھی خوابِ سحر سے آنکھ — سورج دکھا رہا ہے مری جاں ادھر سے آنکھ

اٹھ آنے والی رات پہ غفلت کو ٹال تو
اب مدرسے کا وقت ہے جزدان سنبھال تو

اے ویربھان آج تو بے طور نیند ہے
تجھکو عبث جگاتے ہیں یہ اور نیند ہے
افسوس تو تو اور ہی خوابِ گراں میں ہے
ہے روح اس جہان میں جسم اس جہان میں ہے
چیچک نے آہ تجھکو پیامِ قضا دیا
ہم کس طرح جگائیں اجل نے سُلا دیا
گھڑیال کی صدا بھی نہ تجھکو جگا سکی
بانگِ طیورِ صبح نہ کچھ کام آسکی

کیسی گھڑی میں آہ تجھے آئی سیتلا
اے کاش کرتی رحم بھی کچھ مائی سیتلا
یوں ناشگفتہ غنچے کوئی توڑتا نہیں
گلچینِ مرگ آہ، مگر چھوڑتا نہیں
ہے سہے عذاب موت کا ننھی سی جان پر
دیکھے سے جس کے پھٹتا ہے ماں باپ کا جگر
اُمید بھی ہے یاس کے زخمِ نہاں بھی ہیں
مصروفِ چارہ سازی بھی ہیں نوحہ خواں بھی ہیں
تقدیر اُلٹ گئی کہ دوا میں اثر نہیں
افسوس اب علاج کوئی کارگر نہیں
بیٹھی ہے موت تاک میں بچے پہ وار ہے
اب کیا رہا کہ تیر کلیجے کے پار ہے
اب تک بھی ہے یہ وہم کہ روٹھا ہوا نہ ہو
شانہ ہلا رہے ہیں کہ سویا ہوا نہ ہو

پر بولنا محال ہے اب ویربھان کا
واقف نہیں رہا وہ ہمارے جہان کا
پڑھکر یہاں خموشیِ جاوید کا سبق
ہے دیکھتا کتابِ بقا کا ورق ورق

ننھے سے دل میں آہ وہ طوفانِ ذوقِ علم — پہلو میں لے گیا ہے تو ارمانِ ذوقِ علم
جلد ۴ وہ دلفزا امیدیں وہ بچپن کے ولولے — تیرے یہ غمگسار ترے ساتھ اُٹھ چلے
اے آہ بچپنے کی وہ معصوم حسرتیں — معدوم ہو گئیں تری موہوم حسرتیں

طے ہو گئیں وہ تیری خیالی ترقیاں
وہ عمر کے مدارجِ عالی ترقیاں

وہ بھولی بھالی شکل ہے آنکھوں کے روبرو — کمرے میں پھر رہی ہے وہ تصویر ہُو بہُو
اُبھرا ہوا وہ ماتھا وہ آنکھیں غزال سی — اور ان پہ ابروؤں کی سجاوٹ ہلال سی
آیا ہوا لبوں پہ تبسّم ذرا ذرا — وہ توتلی زباں کا تکلم ذرا ذرا
بچپن کی شوخیاں وہ ادب سے رُکی ہوئیں — ہر وقت وہ کتاب پہ آنکھیں جھکی ہوئیں
ہائے وہ تیری ظاہر باطن کی خوبیاں — بچے نہیں وہ ہوتی ہیں یہ جن کی خوبیاں

ہونا ہی تھا جُدا کہ ہمیں تجھ سے پیار تھا
مرنا ہی تھا تجھے کہ بہت ہونہار تھا

محروم

۵۴۔ کلیجے کا داغ

زینہ نہ بامِ عرش کا اتنا بلند تھا
میری دعا کو بابِ اجابت ہی بند تھا
تیرا اجل کو آہ نہ درماں پسند تھا
اچھا ہوا کسی سے نہ، وہ دردمند تھا

دھڑکن گئی نہ دل کی نہ دردِ جگر گیا
بالیں سے نا اُمید تری چارہ گر گیا

وہ آہ تیری چاند سی صورت کدھر گئی
آنکھوں کا نور رُخ کی صباحت کدھر گئی
ہونٹوں کی لال لال وہ رنگت کدھر گئی
بچپن کی مُسکرانے کی عادت کدھر گئی

ہونٹوں پہ اب ہنسی ہے نہ جنبش زبان کو
کیا جانے کیا ہوا مری ننھی سی جان کو

چہرے سے آہ یوں ہے صباحت اُڑی ہوئی
جیسے خزاں میں پھول سے نکہت اُڑی ہوئی
دل سرد جسم سے ہے حرارت اُڑی ہوئی
رُخ سے گلاب کی سی ہے رنگت اُڑی ہوئی

آنکھیں کنول سی ہیں وہ چہرہ ہے پھول سا
لوگو، ہے آج کچھ مرا ننھا ملول سا

جلد۴

پنہاں اجل کا دستِ ستم آستیں میں ہے
مجھکو خبر نہ تھی کہ یہ ظالم کمیں میں ہے
آنکھوں میں نور ہے نہ صباحت جبیں میں ہے
قالب یہاں ہے روح بہشتِ بریں میں ہے

زانو پہ سو گیا مرے، سر رکھ کے آہ تو
کھولے گا آنکھ کب مرے نورِ نگاہ تو

گو مجھ سے اب نگاہ نہیں آشنا تری
مجھکو مگر ہے آہ وہی مامتا تری
اگلی سی وہ اگرچہ نہیں ہے ادا تری
اس غم میں بھی شبیہ ہے تسکین فزا تری

تو کوئی دم میں خاک کا پیوند ہی سہی
بوسے تو لے رہی ہوں، میں لب بند ہی سہی

صبر و سکوں کا کر نہ سفینہ تباہ تو
ماں کا سمجھ کے توڑ دلِ داد خواہ تو
بے نور آنکھ ہے مری نورِ نگاہ تو
یعنی ہے مجھ غریب کا روزِ سیاہ تو

میں نے سمجھ کے خاک کا پتلا زمین کو
حافظ خدا ترا، تجھے سونپا زمین کو

ایذا سے جانِ زار جو کاہش طلب رہی
دن بھر لپسر کی یاد میں مضطرب رہی
جب نصف شب گزر گئی اور نصف شب رہی
دل میں نہ آہ طاقتِ رنج و تعب رہی

نیند آگئی تو طرفہ تماشا نظر پڑا
اک کنج پُر فضا لبِ دریا نظر پڑا

پچھلے پہر کا وقت تھا جاں بخش تھی ہوا ۔۔۔ اور میرے ساتھ تھا مرا ننھا ٹہل رہا
صورت تھی پیاری پیاری وہ معصوم دلربا ۔۔۔ اک پھول تھا گلاب کا گویا کھِلا ہوا

پھولوں کی بو سے بادِ صبا عطر بیز تھی
سر پر شعاع نور کی ایک جلوہ ریز تھی

چہرے پہ نور کی جو کرن تھی چمک رہی ۔۔۔ تھی گوری گورے گالوں پہ سُرخی جھلک رہی
وقتِ خرامِ نازکمر تھی لچک رہی ۔۔۔ شبنم ادھر گلاب تھی رُخ پر چھڑک رہی

رُخ پر جو چاندنی نے اُجالا تھا کر دیا
مُکھڑے کا اور حُسن دوبالا تھا کر دیا

کہتا تھا مسکرا کے مجھے یوں دکھا کے پھول ۔۔۔ کس رنگ کے یہ گل ہیں یہ ہیں کس ادا کے پھول
کلیاں گلاب کی ہیں یہ ہیں یہ موتیا کے پھول ۔۔۔ دلکش عجب ہیں اس چمنِ دلکشا کے پھول

دنیا کی ہی ہوا انھیں چھو بھی نہیں گئی
اُڑ کر ہی ان کی خلد سے بو بھی نہیں گئی

اس کنج دلنشیں کی ہو آب و ہوا پسند دُنیا کی اب نہیں مجھے اتاں ادا پسند
ہو جس کو خلد کا چمنِ دلکشا پسند کانٹوں کو دہر کے وہ کرے آہ کیا پسند

دنیا سے آہ اب مجھے دلبستگی نہیں
میں شاد ہوں کہ مجھکو غمِ خستگی نہیں

میں جانتا ہوں ضبط کی عادت ہے کم تمھیں برسوں رلائیگا مرے مرنے کا غم تمھیں
ڈھارس بندھاؤ دل کو عبث ہے الم تمھیں رونا نہ اب مجھے مرے سر کی قسم تمھیں

اشکوں سے میرے غم میں نہ آنکھوں کو تر کرو
دنیا میں کچھ دنوں خوش و ناخوش بسر کرو

سرور جہاں آبادی

۵۵- آغاز و انجام

سب پھول تھے ایک ہی شجر کے گویا تھے چراغ سارے گھر کے
وہ ایک ہی جگہ پلے تھے اور حسن کے ساتھ بڑھ رہے تھے
کیا وقت وہ تھا جو سب بہم تھے عنقا الم و ملال و غم تھے

سب خوش تھے عجب دلوں کو کل تھی
ان کے دم سے چہل پہل تھی

ماں عاشقِ زار اور شیدا
ہر شب یہ دستور تھا اُس کا
کس پیار سے سوتے ہیں وہ جھک کے
بوسے لیتی تھی بیٹھے بیٹھے
رہتے تھے نظر کے سامنے سب
پروانہ تھی سب پہ دن ہو یا شب
ہر چند وہ پھول بے کھلے تھے
کیا کچھ نہیں ماں کے حوصلے تھے
قبروں میں ہیں ہائے اب وہ تنہا
حائل ہیں پہاڑ اور دریا
اس پانی میں ایک کی ہے تربت
جس کی ہے بہت سیاہ رنگت
ہے ایک کی خوابگاہ اے وا
جنگل سنسان امریکہ کا

سنتا ہوں غریب کی لحد پر
ہے سایہ کئے ہوئے صنوبر

اس بحر میں ڈوبا اک اکیلا
پانی جس کا ہے خوب نیلا
اس جا سوتا ہے تہ کے اندر
جس جا سے نکالتے ہیں گوہر
آبی تربت پہ اُس کے اصلا
اب کوئی نہیں ہے رونے والا

اسپین میں ایک سو رہا ہے
اس قبر پہ تاک رو رہا ہے
شمشیر زنی زبس رہی واں
ندی اک خون کی بہی واں

جلد۴

رایت کو لئے تھا کس ہنر سے باندھے مضبوط تھا کمر سے
دشمن کہیں چھین کر نہ لیجائیں
اُلٹی نہ اسے شکست دیجائیں

اک ان میں سے دفن اب وہاں ہے مہندی کا بڑا شجر جہاں ہے
ہلکے ہلکے ہوا کے جھونکے ملکر شاخوں سے پھنگیوں سے
برساتے ہیں پتیاں وہ اتنی چادر بن جائے ایک لحد کی
جاکر وہ اطالیہ مری ہے پھولوں کی جہاں بہار رہتی ہے
گھر بھر میں وہی تو اک حسیں تھی پیاری صورت تھی نازنیں تھی
سوتے ہیں الگ الگ وہ دلبر
جس جا جنہیں لے گیا مقدر

وہ میٹھے سروں میں ان کا گانا گا گا کے ہر اک کا دل لبھانا
ہر وقت ہنسی تھی قہقہے تھے آپس میں مذاق چھچے تھے
افسوس کہ اب وہی نہاں ہیں
اے موت بتا کہ سب کہاں ہیں

اے موت غضب کا سامنا تھا ہوتا اندھیر ہائے کیسا

برباد یہ ساری زندگی تھی   مٹی تھی خراب پھروں کی
ہوتا جو نہ حشر کا سہارا
ملنے کا طریق اور کیا تھا

(ترجمہ از انگریزی)

سید علی سجاد دہلوی

۵۶۔ خوابِ راحت

پھول ہی پھول اس پہ برساؤ   آنکھ سے اشکِ خون نہ ٹپکاؤ
پھول ہی پھول اس پہ برساؤ   ذکرِ گور و کفن کا مت لاؤ
خواب راحت میں یہ تو سوتی ہے
نیند یہ کب نصیب ہوتی ہے

اعجاز

۵۷۔ صبر

ماں باپ منہ ہی دیکھتے تھے جن کا ہر گھڑی   قایم تھیں جن کے دم سے امیدیں بڑی بڑی
دامن پہ جن کے گرد بھی اُڑ کر نہیں پڑی   ماری نہ جن کو خواب میں بھی پھول کی چھڑی

جلد ۳

محروم جب وہ گل ہوئے رنگِ حیات سے
اُن کو جلا کے خاک کیا اپنے ہاتھ سے

کہتے تھے لوگ دیکھ کے ماں باپ کا ملال
ان بیکسوں کی جان کا بچنا ہی اب محال
ہے کبریا کی شان گزرتے ہی ماہ و سال
خود دل سے دردِ ہجر کا مٹتا گیا خیال

ہاں کچھ دنوں تو نوحہ و ماتم ہوا کیا
آخر کو رو کے بیٹھ گئے اور کیا کیا

چکبست

۵۸۔ ماں کو نزع میں بچّی کا دھیان

(یہ دونوں جگردوز نظمیں خود جناب محروم کی اہلیۂ آنجہانی کے انتقال پُرملال کی یادگار ہیں۔ ودیا طول عمرہا ان کی ننھی بچّی ہے جس کو ماں نے خُرد سال چھوڑا)

یہ چلی ہوں چھوڑ کے میکے پر کو آشیانے میں
کسی کا کون ہے ہمدرد اس زمانے میں
قضا کو خاک لگے گا مرے مٹانے میں
نہیں ہے عذر مجھے تو جہاں سے جانے میں

نہیں ملال کہ میرا مآل کیا ہوگا
یہ فکر ہے مری ودیا کا حال کیا ہوگا

جو میری گود سے دم بھر جدا نہ ہوتی تھی
جو میری آنکھ سے اوجھل ذرا نہ ہوتی تھی
میں اپنی بچی پہ کس دن فدا نہ ہوتی تھی
جو رات آنکھوں میں کٹتی خفا نہ ہوتی تھی

ہے کون جو مری نازوں پلی کو پالے گا
کوئی تو خاک سے گوہر مرا اٹھا لے گا

محروم

۵۹ معصوم بچی ماں کی میت پر

جاگو اسے اٹھا لو سو کر اٹھی ہے ودیا
کیوں برخلافِ عادت رو کر اٹھی ہے ودیا
بےتاب اس طرح کیوں ہو کر اٹھی ہے ودیا
صبر و قرار شاید کھو کر اٹھی ہے ودیا

اُس کو بھی غائبانہ معلوم ہو گیا ہے
خوابِ عدم میں تم ہو یا بخت سو گیا ہے

نظروں سے آہ کیا کیا حسرت ٹپک رہی ہے
رہ رہ کے منہ ہمارا حیرت سے دیکھتی ہے
چہرے سے ہے نمایاں دل کی جو بیکلی ہے
تیری تلاش اس کو اے مہرِ مادری ہے

جلد ۲

وہ گود سے ہماری آخر مچل کے نکلی
جاتی ہے کس طرف کو گھٹنوں پہ چلکے نکلی

گھٹنوں پہ چلکے نکلی بستر کے پاس پہنچی		ننھے سے آہ دل میں کچھ لیکے آس پہنچی
کیا مطمئن سنبھالے ہوش و حواس پہنچی		لیکن کچھ اس سے پہلے لے دوائے یاس پہنچی

کس کو پکارتی ہے مُنہ سے کفن اُٹھاکر
منزل پہ ٹھنڈے ٹھنڈے پہنچی وہ لدلدا کر

جی بھر کے دیکھ لے تو مُنہ اپنی پیاری ماں کا		موقع نہیں ہے ودیا یہ ہوں کا اور ہاں کا
مطلب نہیں سمجھتی کیا تو مری فغاں کا		ٹوٹا ہے ہاتھ تجھ پر بیداد آسماں کا

اب مانگتی ہے ودیا غوں غاں کی داد کس سے
کرتی ہے بھولے بھالے دل کو تو شاد کس سے

ان سرد چھاتیوں میں کیا شیر ڈھونڈتی ہے		پتھر میں موم کی تو تاثیر ڈھونڈتی ہے
اب شمعِ کشتہ میں کیا تنویر ڈھونڈتی ہے		کیسے تڑکا رہائے تقدیر ڈھونڈتی ہے

مُردے سے اپنی ماں کے یہ پیار کر رہی ہے
مجھ سخت جاں پہ یارب یہ کیا گزر رہی ہے

لو اُٹھ گئے بیٹھو کہ ودیا سرہانے آئی ہے		تمہارے مُنہ سے وہ دامن اُٹھانے آئی ہے

ادائے طفلی کوئی تو دکھانے آئی ہے ۔۔۔ کہ ہنستی آئی ہے تم کو ہنسانے آئی ہے
وہ چل کے آئی ہے گھٹنوں پہ تھک گئی ہوگی
تمہارے پیار سے پھر اس کو تازگی ہوگی

اُٹھا بھی لو کہ بہت بے قرار ہے ددیا ۔۔۔ نگاہِ بھر کی اُمیدوار ہے ددیا
رہینِ سختیٔ صد انتظار رہے ددیا ۔۔۔ نہ چھوڑ جاؤ اسے شیر خوار ہے ددیا
پکارتی ہے تمہیں آج کس قرینے سے
اُبل کے شیر ٹپکتا نہیں ہے سینے سے

محروم

۶۰۔ بن ماں کی بچّی

تھی اک پیاری اور ننھی منّی سی بچّی ۔۔۔ بہت اپنے ماں باپ کی لاڈلی تھی
مگر اس کی قسمت کا لکھا بُرا تھا ۔۔۔ کہ بچپن ہی میں ماں سے چھٹنا بدا تھا
بہت رنج تھا اُس کو چھٹنے کا ماں سے ۔۔۔ اُترتا نہ تھا نام ماں کا زباں سے
مگر باپ کرتا تھا یوں اس کی تسکیں ۔۔۔ کہ بیمار امّاں تری ہو گئی تھیں
انھیں اک حکیم اپنے گھر لے گیا ہے ۔۔۔ علاج اُن کا کوشش سے وہ کر رہا ہے

جب آرام ہوگا چلی آئیں گی وہ بہت جلد پھر تم سے مل جائیں گی وہ
وہ بچی جو بالکل ابھی ناسمجھ تھی بھلا اس کو اس بات کی کیا سمجھ تھی
سدا پوچھتی اپنے ابّا سے رو کر مری امّاں آئیں گی کب اچھی ہو کر
نہیں بھیجتے ہیں حکیم اُن کو اب تک بتاؤ رہیں گی وہ گھر اُن کے کب تک
مجھے لے چلو وہ تو آتی نہیں ہیں جہاں میری امّاں ہیں جاؤں وہیں میں
تھا رونے سے اُس کے پریشان گھر بھر کہ اتنے میں اک دانا بی بی نے آکر
کہا تم اگر میری اک بات مانو اور اُس کو نہ ہرگز خرافات جانو
تو رونا یہ لڑکی کا جاتا رہے گا خدا خود بخود صبر بچی کو دے گا
اسے ماں کی تربت کی مٹی چٹاؤ تو رونے کی پھر یہ نہیں۔ آزماؤ
کہا سب نے یہ بھی بھلا کر کے دیکھو کہ شاید اسی سے اُسے فائدہ ہو

بلا کر کہا اُس کے ابّا نے اُس کو
چلو اپنی امّاں کا گھر دیکھ آؤ

یہ سُن کر خوشی سے نہ پھولی سمائی اسی وقت وہ قبر پہ ماں کے آئی
وہاں جا کے سنسان ویران پایا نظر اُس کو گھر کا نشاں تک نہ آیا
جو دیکھا تو ہیں ڈھیر مٹی کے ہر جا نہ امّاں تھی واں اور نہ امّاں کا گھر تھا

لگی کہنے ابّا سے حیران ہو کر
یہاں تو نہیں ہے بنا کوئی بھی گھر
کہا باپ نے تم نہ حیران ہو اب
وہ ہے چار دیواری اس میں چلو اب
گئی جب وہ اس میں تو اک قبر دیکھی
جو گملوں سے اور پھولوں سے سج رہی تھی

کہا باپ نے رکھ کے ہاتھ اس پہ اپنا
کہ اماں تری اس میں سوتی ہے بیٹا

سُنا جب یہ لڑکی نے بے چین ہو کر
لگی ڈھونڈنے اس میں دروازہ رو کر
ملا جب نہ رستہ تو بولی یہ رو کر
مری اماں بیٹھی ہیں کیوں بند ہو کر
کہا باپ نے پیاری اس میں نہ جانا
جو کہنا ہے باہر ہی سے کہہ سُنانا
نہیں میری پیاری کوئی اس میں جاتا
نہیں کوئی سوتوں کو بیٹی جگاتا

یہ سُن کر وہ بے تاب اس طرح بولی
جگاتی ہوں میں دیکھو اماں کو اپنی

یہ کہکر پکاری اُٹھو پیاری اماں
مرے ساتھ گھر کو چلو پیاری اماں
یہ ہے کوٹھری کیسی سوتی ہو جس میں
نہ دروازہ ہے اور نہ کھڑکی ہے اس میں
میں کیوں کر بھلا اس میں آؤں بتاؤ
تمہیں پیاری اماں مرے پاس آؤ
ذرا کوٹھری سے نکل آؤ باہر
لگا لو گلے سے مجھے اپنے آکر

جلد ہو روٹھی تو من جاؤ اب پیاری اماں — خطائیں مری بخشو سب پیاری اماں
ستاؤں گی میں اور نہ شوخی کروں گی — کہو گی جو تم اب میں وہ ہی کروں گی
میں مانوں گی کہنا تمہارا تم آؤ — بس اب پیاری اماں نہ مجھکو رلاؤ
مجھے عید کے کپڑے تم آکے سی دو — مرے سر کو دھوؤ مرے بال گوندھو
بہت دیر سے دیکھو میں یاں کھڑی ہوں — مناتے مناتے تمہیں تھک گئی ہوں
میں گڑیوں سے بھی اب نہیں کھیلتی ہوں — بہت روتی ہوں جب انہیں دیکھتی ہوں
جو تم ہوتیں گڑیوں کے کپڑے بناتیں — کھلونے بہت اچھے اچھے منگاتیں

نہ آتی ہو باہر نہ کچھ بولتی ہو
کہو اتنی تم کیوں خفا ہو رہی ہو

کھڑا باپ تھا پاس خاموش اس کے — مگر دل ہوا جاتا تھا غم سے ٹکڑے
پھر آخر کو اس طرح بیٹی سے بولا — کہ کہنا تھا جو کہہ چکی ہو وہ بیٹیا
نہیں بولتیں تم سے اماں تمہاری — چلو اب تمہیں لیچلوں گھر کو پیاری
بس اب اپنی اماں کو تم بھول جاؤ — مرا کہنا مانو مرے ساتھ آؤ
وہ بولی کہ گھر کو نہ جاؤں گی ابا — میں اماں کو اپنی مناؤنگی ابا
انہیں یہاں چھوڑ کر میں نہ جاؤں گی گھر کو — وہ بولیں گی ابا ذرا دیر ٹھیرو

تھی اُمید بچّی کو آنے کی ماں کے
سو گتی نہ تھی اس لیئے وہ وہاں سے
وہ رو رو کے آخر کو مایوس ہو کے
چلی آئی گھر ساتھ ابا کے اپنے
خدا بچّے کا دُکھ نہ ماں کو دکھائے
نہ بچے ہی سے اُس کی ماں کو چھڑائے
مبارک ہوں ماؤں کی گودوں کو بچّے
سدا ماؤں کی گود اللہ رکھے

محمّدی بیگم مرحومہ

۶۱- یسیر کا پیام ماں کے نام

ایک بچہ جس کی ماں کا ہو گیا تھا انتقال
میرے پاس آیا کہیں سے روتا روتا ایک دن
اور کہا رو کر کہ ماں کو ڈھونڈتا پھرتا ہوں میں
کھانا تک کھایا نہیں ہے صاف گزرا ایک دن
چھوڑ کر بے کس خدا جانے کہاں رخصت ہوئی
ہے بہت مشکل مجھے بے ماں کے جینا ایک دن
تم سے مل جائے تو کہنا مجھ کو بھی لے جائے ساتھ
یا چلی آئے وہاں سے رہ کے دو یا ایک دن

جلد ۲ کیسی بستی ہی وہ کیسے گھر ہیں کیسے لوگ ہیں
تونے تو جاکر وہاں خط بھی نہ بھیجا ایک دن

پیار کرتی مُنھ دُھلاتی کپڑے پہناتی تھی روز
یوں پھٹے کرتے سے میں رہتا نہیں تھا ایک دن

کون چمکارے مجھے اور کون لے آغوش میں
خواب میں بھی تونے حال آکر نہ پوچھا ایک دن

اپنے سینے سے کبھی اک دم نہ کرتی تھی جُدا
اب یہ تنہا بیکسی میں کیسے چھوڑا ایک دن

اب نہیں کرنے کا ضد، اب کچھ نہ مانگوں گا کبھی
خستہ حالی پر مری آ رحم فرما ایک دن

اب نہیں رونے کا روٹھنے سے خفا ہی تو اگر
اچھی امّاں گود میں لے لے مجھے آ ایک دن

تجھ کو بن میرے وہاں کٹتے ہیں کیسے روز و شب
مجھ کو ہے تیرے یہاں ہی سو برس کا ایک دن

اے خدا ایسے یتیم و بے نوا پر فضل کر
یہ دعا کی اور اکبر خوب رویا ایک دن

جلد ۲

اکبر

۶۲ یتیم اور گورِ پدر

ننھے ننھے ہاتھ اپنے قبر پر رکھے ہوئے
پڑھ رہا تھا سورۂ الحمد میں باچشمِ تر

دفعتاً اُمڈا جو دل رو رو کے یہ کہنے لگا
مجھ سے اے بابا خفا تم ہو گئے کیوں اس قدر

کیا سبب ہے کون سی مجبوریاں درپیش ہیں
اتنی رات آئی ہے اور اب تک نہیں چلتے ہو گھر

سو رہے ہیں اپنے اپنے آشیانوں میں پرند
زمزمے کرتے نہیں اس وقت مرغانِ سحر

ہر طرف سے یہ درندوں کی صدائیں ہولناک
یہ ڈراونی رات یہ قبریں یہ جنگل پُر خطر

جلدؔ

ہائے یہ عالم کہ دنیا کر رہی ہے سائیں سائیں

اور اکیلا رو رہا ہوں میں تمہاری قبر پر

تم نے چھوڑا تھا کبھی تنہا مجھے ایسی جگہ

گود میں لے لو مجھے معلوم اب ہوتا ہے ڈر

آسماں پر ایک سنّاٹا سا ہے چھایا ہوا

ڈوبتے تاروں سے پیدا ہیں کچھ آثارِ سحر

میں ہوں اے بابا وہی پروردۂ آغوشِ ناز

لے کے سینے پر جسے سوتے تھے اپنے رات بھر

کیوں کفن میں منہ چھپایا میں وہی منحوس ہوں

دیکھتے تھے منہ مرا تم اُٹھ کے ہنگامِ سحر

منّتوں پر منّتیں تھیں میرے جینے کے لیے

تھیں دعاؤں پر دعائیں تا نہ لگ جائے نظر

منع کر دیتے تھے فوراً تم اشارے سے مجھے

غیر اُلفت سے بھی کوئی چھیڑ دیتا تھا اگر

اب نہ وہی ہم ہیں کہ مانگیں بھی تو مل سکتا نہیں

جلدؔ مر گئے تم جب سے ہے ہم پر حقارت کی نظر

خیر اے بابا ذرا یہ بات بھی رکھیئے گا یاد

آج باتوں کا مری لیتے نہیں کچھ آپ اثر

روٹھ کر اُٹھا ہی تھا چلا کے میں روتا ہوا

قبر سے آواز آئی اے مرے نورِ نظر

میں فدا تجھ پر ارے یہ کیا غضب تو نے کیا

ایسے ویرانے میں آتا ہے کوئی جانِ پدر

اے مرے نازوں کے پالے میں عجب عالم میں ہوں

گود میں لے کر تجھے کس طرح سے پہنچاؤں گھر

آہ اے معصوم بچے کیا کروں مجبور ہوں

تیری ان باتوں سے ٹکڑے ہو گئے قلب و جگر

ہائے ظالم موت تو نے کیا ستم مجھ پر کیا

میرے بچے ہو گئے یوں تیرے ہاتھوں دربدر

تو یہاں آیا کسی نے تجھ کو روکا بھی نہیں
جلد ہی

میرے مرتے ہی ہوئے ایسے اعزہ بے خبر
قوم بھی تیری خبر گیری نہیں کرتی ہے کیا

میری جاں ہوتی ہی کیا اب فقر و فاقہ میں بسر
ہائے دنیا سے میں کیا کیا حسرتیں لیکر اُٹھا

تیرا سہرا بھی نہ دیکھا میں نے اے لختِ جگر
سخت مجبوری ہے بیٹا ہم کہاں اور تم کہاں

گھر سدھارو گھر سدھارو وقت ہے یہ پُر خطر
میں بھی زندہ ہوں خدا تجھ کو اگر زندہ رکھے

شاد رہ تو اے مرے نخلِ تمنا کے ثمر
جا مری جاں جا بس اتنا روح کو صدمہ نہ دے

پھر کبھی آنا مگر تنہا نہ آنا اے پسر
یاد رکھ میری وصیت اے نہالِ آرزو

قوم کی حلقہ بگوشی میں بسر کر عمر بھر

ہے تری وابستگی ان سے مرا قومی شرف

جلد

چھوڑنا دامن نہ ان کا وہ چھڑائیں بھی اگر

جتنی باتیں میں نے اعجازِ محبت سے کہیں

قوم سے کہنا مری جانب سے لے نورِ نظر

ہو عزیزِ نکتہ پرور کی زبانی یہ پیام

وہ بہت روتا ہے خلوت میں تمہارے حال پر

سب کو پڑھ کر تم سُنا دینا مرا یہ خطِ شوق

مجتمع ہو قوم جب جلسے میں اے جانِ پدر

السّلام اے ساکنانِ بزمِ ہستی السلام

اُس جگہ ہم ہیں کہ تم سے کر نہیں سکتے کلام

ہو مبارک تم کو اس دنیا کا منظر دیکھنا

جب کبھی فرصت ملے ہم کو بھی مُڑ کر دیکھنا

ساز و برگِ عالمِ ہستی وہی ہے یا نہیں

یہ بتاؤ یاد کرتے ہو ہمیں بھی یا نہیں

جلد آہ وہ لختِ جگر وہ تازہ نخلِ مدعا
چھٹ گیا ہے جب سے اور میں ہو گیا اس سے جدا

اب یہ ہدیہ آرزوئے نیکنامی میں دیا
اپنا فرزند آپ کو میں نے غلامی میں دیا

میرے رشتہ سے بھتیجا ہے مگر سمجھو غلام
اس سے زائد کچھ نہیں کہتا ہے مجھکو والسلام

عزیز

۶۳- مرحومہ کی یاد

(ترجمہ از "آئرش میلوڈیز" مصنفہ ٹامس مور)

رات کے پچھلے پہر روتی ہیں جب چشمِ نجوم
الفتِ دیرینہ کی وادی میں اُڑ جاتا ہوں میں

اور اس وادی میں مرحومہ جو یاد آتی ہو تم
محو ہو جاتا ہوں کچھ ایسا مزا پاتا ہوں میں

وہ مکاں وہ قصر وہ تم وہ تمہاری حسرتیں
وہ گلے وہ عذر وہ گذری ہوئی دلچسپیاں

دیر تک کرتا ہوں میں یاد آہ اُن ایام کو
ہائے وہ راتیں کہاں وہ دن کہاں وہ تم کہاں

اس سکوت اس محویت میں پھر یہ آتا ہے خیال
روحیں منڈلاتی ہیں گر اوجِ فضائے عرش پر

اور جھکر آتی ہیں اس خاکدانِ عشق میں
تاکہ دیرینہ علایق دیکھ لیں پھر اک نظر
جلد ؟

ق

شاید آجائے تمہاری رُوح بھی اور یہ کہے
کیا بتاؤں جنت الماوی میں میں کیسی رہی
اس جُدائی میں رہا میرا تمہارا ایک حال
تم یہاں روتے رہے اور میں وہاں روتی رہی
پھر سراپا شوق ہو کر وہ غزل گاتا ہوں میں
تم جو تنہائی میں چپکے چپکے گاتی تھیں کبھی
گونج کر جب نغمہ ٹکراتا ہے تو کہتا ہوں میں
یہ تمہاری رُوحِ مضطر آتی ہے گاتی ہوئی
یہ لب و لہجہ وہی ہے یہ سُریلا پن وہی
لیکن اب اس میں تو کچھ کچھ ضعف کا انداز ہے
اور پھر کچھ سوچ کر پہچان کر کہتا ہوں میں
یہ وہی آواز ہے - بیشک وہی آواز ہے

نادر کاکوروی

۴۶ - سوزِ دل

پھر دلِ سوختہ مصروفِ فغاں ہوتا ہے
ذکرِ سوزِ غم و اندوہ نہاں ہوتا ہے
کچھ خبر ہے تجھے شمشان کو جانے والے
سوزِ فرقت سے بُرا حال یہاں ہوتا ہے
خالقِ پاک تری رُوح کو ٹھنڈا رکھے
محوِ فریاد ترا سوختہ جاں ہوتا ہے

صبحدم یاد مجھے تیری "چتا" آتی ہے
شعلۂ صبح جو مشرق میں عیاں ہوتا ہے

اور ہر شام تری رونقِ طلعت کے بغیر
غمکدے میں مرے وحشت کا سماں ہوتا ہے

مری آہوں سے بوئے داغِ جگر آتی ہے
تختِ دل ساتھ لئے اشکِ رواں ہوتا ہے

اب مرے واسطے ہے گلشنِ عالم گلخن
ہر گلِ تر پہ شرارے کا گماں ہوتا ہے

آنچ سے آتشِ ہجراں کی ہوئی وہ صورت
جیسے تفسیدہ کوئی برگِ خزاں ہوتا ہے

پھیل جاتی ہے سرِ شام جو دھندلاہٹ سی
مہ جبیں، وہ مری آہوں کا دھواں ہوتا ہے

یہ نہیں رنگِ شفق اوجِ فلک پر جا کر
نفسِ گرم مرا شعلہ فشاں ہوتا ہے

آستیں میں ہے، نہ دامن میں لگی ہے دل میں
عزم کس سمت کا اے اشکِ رواں ہوتا ہے

تپشِ داغ سے دیتی ہیں وہی کام آہیں
آگ پر جو اثرِ بادِ وزاں ہوتا ہے

تھا جلانا تو مجھے شمع بنایا ہوتا
یا وہ پروانہ جو محفل میں تپاں ہوتا ہے

مجمرِ دہر میں کیا خوب ہے مقسومِ سپند
یہ سلگنے کا عذاب اس کو کہاں ہوتا ہے

آج محروم نکالے ہیں بہت گرم اشعار
دلِ جلوں کا یہی اندازِ بیاں ہوتا ہے

محروم

۶۵۔ تسکینِ قلب

جلد۲

مرے چاہنے والے کیوں رو رہے ہیں
یہ جان اپنی کس واسطے کھو رہے ہیں؟
میں مردہ نہیں ہوں ٹھکانے سے جی ہے
کہوں کیا مرے دل کو کیسی خوشی ہے
نہ روئیں، نہ روئیں ابھی خشک ہوں گے
جو قطرے ہیں رخسار پر آنسوؤں کے
مرا حال سن کر انھیں غم نہ ہو گا
وہ رنج و تعب اور وہ ماتم نہ ہو گا
بر آئی ہے مرنے پہ میری تمنّا
وہاں پہونچا ملنے کا وعدہ جہاں تھا
خدا نے نصیبوں سے یہ دن دکھائے
ثمر خشک شاخوں میں اب جا کے آئے
یہاں تاج تاروں کا ہے میری سر پہ
کہاں جا کے چمکا ہے میرا مقدر
ٹہلتا ہوں ہر وقت خلدِ بریں میں
محبت کا معدن ہے جس سرزمیں میں

میری چاہنے والے ہرگز نہ روئیں
غمِ ہجر میں جان اپنی نہ کھوئیں
مرے واسطے رنج اٹھانے سے حاصل؟
یہ رونے سے، آنسو بہانے سے حاصل
وہاں میرے رہنے کی تھی کون صورت؟
جہاں تھی مروّت، محبت نہ الفت

گناہوں کا اور موت کا تھا جو مسکن — جہاں ایک صورت میں تھی دوست دشمن
جہاں ابرِ غم تھا - اندھیرا بہت تھا — جہاں جان جانے کا کھٹکا بہت تھا
یہاں کی مگر زندگی - زندگی ہے — سراپا مسرت - مجسم خوشی ہے
یہاں ناز کرتے ہیں مجھ پر فرشتے — اٹھے ہر طرف سے اُن آنکھوں کے پردے
مکاں ہے مرا جلوہ گاہِ محبت — میسر ہے ہر دم کسی کی زیارت
یہ اس مصحفِ رُخ میں لکھا ہوا ہی — خوشی میں بقا ہی تو بعدِ فنا ہی
جو پہونچا یہاں تک یہ اُس کی عنایت — خوشا میری قسمت - خوشا میری قسمت

مرے چاہنے والے ہرگز نہ روئیں
غمِ ہجر میں جان اپنی نہ کھوئیں
مرے واسطے رنج اُٹھانے سے حاصل؟
یہ رونے سے آنسو بہانے سے حاصل

سیّد علی سجاد

۶۶ - نوحۂ برادر

وہ برادر کہ مرا یوسفِ کنعانی تھا — وہ کہ مجموعۂ ہر خوبیٔ انسانی تھا

وہ کہ گھر بھر کے لیئے رحمتِ یزدانی تھا
قوتِ وسعتِ دلِ شبلی نعمانی تھا

جوش اُسی کا تھا جو میرے سرِ پرشور میں تھا
بل اُسی کا یہ مرے خامۂ پرزور میں تھا

جلد

ہم سے بیکاروں میں اک قوتِ عامل تھا وہی
پایۂ عزتِ اجداد کا حامل تھا وہی
مسندِ والدِ مرحوم کے قابل تھا وہی
یوں تو سب اور بھی اعضا ہیں مگر دل تھا وہی
اب وہ مجموعۂ اخلاق کہاں سے لاؤں
ہائے افسوس میں اسحٰق کہاں سے لاؤں

جب گیا والدِ مرحوم نے دنیا سے سفر
گھر کا گھر تھا ہدفِ ناوکِ صدگونہ خطر
بن گیا آپ اکیلا وہ ہر آفت کی سپر
تیر جو آئے، گیا آپ وہ اُن کی زد پر
خود گرفتار رہا تا کہ میں آزاد رہوں
اس نے غم اس لیئے کھائے تھے کہ میں شاد رہوں

اس کو شہرت طلبی سے کبھی کچھ کام نہ تھا
وہ گرفتارِ کمندِ ہوسِ خام نہ تھا
اس کی ہر بات میں اک لطف تھا ابرام نہ تھا
وہ کبھی مدعیٔ رہبریٔ عام نہ تھا
اُس کو مطلوب کبھی گرمیٔ بازار نہ تھی
اس کی جو بات تھی کردار تھی گفتار نہ تھی

جلد آہ

اسکے اخلاق کھٹک جاتی ہیں دل میں ہر بار — وہ شکر ریز تبسم وہ اداہائے وقار
وہ وفا کیشیِ احباب وہ مردانہ شعار — وہ دل آویزیِ خو، وہ نگہِ الفت بار

صحبتِ رنج بھی اک لطف سے کٹ جاتی تھی
اس کی ابرو پہ شکن آکے پلٹ جاتی تھی

آہ اے مرگ کسی شے کی نہیں تجھکو تمیز — تیری نظروں میں برابر ہیں گہر اور پشیز
میں نے مانا تری نزدیک نہ تھا وہ کوئی چیز — رحم کرنا تھا کہ چھوڑی ہیں کئی اس نے عزیز

لاڈلے ہیں کہ کسی اور کے بس کے بھی نہیں
اس کے بچے ابھی سات آٹھ برس کے بھی نہیں

اے خدا شبلیِ دل خستہ بایں موئے سفید — لیکے آیا ہے تری درگہِ عالی میں امید
مرنے والے کو نجاتِ ابدی کی ہو نوید — خوش و خرم رہے چھوٹا مرا بھائی یہ جنید

کیا لکھوں قصۂ غم تابِ رقم بھی تو نہیں
اب مرے خامۂ پُر زور میں دم بھی تو نہیں

شبلی

۶۷ - نوحۂ وفاتِ نادرِ شاعر

جلد ۲

مرگِ نادرؔ کی خبر کاش نہ آئی ہوتی
باعثِ گریہ نہ پوچھو نہ سنائی ہوتی

اے فلک اور بھی نادرؔ کو تو جینے دیتا
کون سی اس میں بھلا تیری بُرائی ہوتی

اک چہکتی ہوئی بلبل کا گلا کیوں گھونٹا
ہائے او موت تجھے موت ہی آئی ہوتی

کیسا اندھیر ہے او بادِ فنا کے جھونکو
آہ یہ شمع تو تم نے نہ بجھائی ہوتی

ندرتِ آئینۂ تصویرِ تخیل افسوس
دستِ بیدادِ اجل نے نہ مٹائی ہوتی

ہند میں آج تھا تو موجدِ نو طرزِ سخن
کوئی دن اور تری تازہ نوائی ہوتی

تیرے جذباتِ مصفّا تھے جواہر نادرؔ
کوئی دن اور بھی دولت یہ لٹائی ہوتی

ابھی تازہ تھا غمِ رحلتِ آزادؔ و سرورؔ
ترے سر میں تو سفر کی نہ سمائی ہوتی

گلشنِ ہند کی رونق تھا ترانہ تیرا
کون سے کنج میں اب ہوگا ٹھکانا تیرا

ساغرِ نو میں مئے کہنۂ سرمد کی جھلک
برقی شعلوں میں وہی سوزِ پرانا تیرا

دیر تک تجھکو نہ بھولیں گے زمانے والے
گو بسر ہو گیا یوں جلد زمانہ تیرا

جلد آ	چھیڑے گا پیرِ مغاں جب کہ فسانہ تیرا	روئیں گے خم کدۂ شعر میں آنے والے

بوئے گل بھاند کے دیوارِ گلستاں نکلی

بس یہی گلشنِ امکاں سے ہے جانا تیرا

محروم

۶۸ - نوحۂ دوست

اشکِ حسرت ترے مدفن پہ بہانے آیا	تو نے جو داغ دیا تجھکو دکھانے آیا

مرض الموت میں بھیجا تھا جسے عید کا کارڈ	وہ ترے بسترِ خاکی کے سرہانے آیا

جس کی شعروں کو بہت شوق سے تو سنتا تھا	آج وہ تجھکو ترا نوحہ سنانے آیا

رات اندھیری ہے طبیعت ہے پریشاں ہر ہر	شعلۂ آہ کی اک شمع جلانے آیا

چھوڑا احباب کو سوتا ہے پڑا چین سے تو	نعرۂ درد سے میں تجھکو جگانے آیا

ہائے جس کے لیے صد دولتِ بیدار تھا تو	وہ پدر خود تجھے مرقد میں سلانے آیا

جیتے جی پھول سی تھی تجھکو بہت کچھ نسبت

میں ترے ڈھیر پہ بھی پھول چڑھانے آیا

نیرنگ

جلد

۶۹۔ دردِ دل

کوئی دنیا میں نہیں ہے رمز دانِ دردِ دل
ہائے میں کس کو سناؤں داستانِ دردِ دل

آہ پیہم سے ہے ظاہر حالتِ سوزِ جگر
دیدۂ نم ہی ہمارا ترجمانِ دردِ دل

ماسوائے مرگ اس کا اور کچھ درماں نہیں
عارضہ ہے کون سا مہلک لیانِ دردِ دل

اس کے صدقہ میں ملی گر زیست سے ہم کو نجات
ہم خوشی سے ہوں گے اس دم مدح خوانِ دردِ دل

جب ملیں فردوس میں تجھکو عزیزِ زندگاں
قلبِ محزوں پیش کرنا ارمغانِ دردِ دل

خاطرِ احباب پژمردہ نہ ہو جائے کہیں
ختم کرنا شاد اب آہ و فغانِ دردِ دل

عزیزہ خاتون

۷۰۔ گریہ

بھاتا ہے مجھکو رونا ابرِ بہار تیرا
ہے موتیوں کی مالا اشکوں کا ہار تیرا

معشوق ہو کہ عاشق دونوں ہیں یار تیرا
بلبل کو اور گل کو ہے انتظار تیرا

برسات نے ملائے یہ خوب یار دونوں
آ مل کے روئیں ہم تم ابرِ بہار دونوں

سینے میں دل ہے میرے اور برق تجھ میں پنہاں — دونوں میں اک تڑپ ہے بیتاب دونوں یکساں
جلد ۲
دونوں مچل مچل کر کرتے ہیں ہمکو حیراں — شوریدہ سر ہیں دونوں، دونوں ہیں خانہ ویراں

وہ دیکھ کس طرح ہیں اب بیقرار دونو
آ مل کے روئیں ہم تم ابرِ بہار دونو

کرتے ہیں ابرِ نیساں اب ملکے اشکباری — دیکھیں کہ رنگ لائے کیا اپنی آہ وزاری
کچھ کر دکھائیں ہم بھی مرضی ہو گر تمہاری — ہو جائیگی یہ دنیا اک پل میں غرق ساری

جی بھر کے روئیں گے جب زار و قطار دونو
آ مل کے روئیں ہم تم ابرِ بہار دونو

دریا کا ہو کنارا اور چل رہی ہوا ہو — بجلی تڑپ رہی ہو چھائی ہوئی گھٹا ہو
اک دم مزاج برہم صبر و قرار کا ہو — قلب و جگر کو تھامے محروم بھی کھڑا ہو

ہو جائیں دل ہی دل میں بے اختیار دونو
اس وقت مل کے روئیں ابرِ بہار دونو

محروم

جلد ۲

۱۷۱ - بچّہ کی قبر

بیخبر ماں تجھکو اس بچّے کی بھی ہے کچھ خبر
گود میں تیرے ہمکتا تھا جو کل تک بار بار

گوری گوری اسکی وہ رنگت وہ مکھڑا چاند سا
اور وہ صورت اسکی جس پہ رات دن تھی تو نثار

کل بلائیں لیتی تھی تو دیکھ کر اندازِ خواب
آج کیوں آتا نہیں سونے پہ اسکے تجھکو پیار

اُف وہ وحشتناک جنگل اور اندھیاری وہ رات
آہ وہ معصوم بچّہ اور وہ کنجِ مزار

لے خبر لے دیکھ ڈر جائے نہ وہ بچّہ کہیں
کیا اسے آغوش میں لینا ہے تجھ کو ننگ و عار

کیا ہوئی وہ تیری اُلفت کیا ہوئی وہ مامتا
کیوں نہیں اسکے لیئے دل آج تیرا بیقرار

اپنے سینہ سے لگا کر تو سُلاتی تھی جسے
آج وہ ہے اور ایک کنجِ لحد تاریک و تار

آج لپٹے ہیں اسی میں چند کیڑے قبر کے
جس گلے میں تو نے پہنائے تھے تعویذوں کے ہار

ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ ہے اٹا سب خاک میں
ہائے وہ پیکر جو کل تک تھا ترے زیبِ کنار

جب تری آواز سنتا تھا مچل جاتا تھا وہ
آج وہ ہے اور خموشی چاہے لاکھ اُس کو پکار

اک اشارے سے کسی کے ہو گئی ہے آج بند
اس کی وہ آواز جو تھی رشکِ صوتِ ہزار

جس کو پہنایا تھا تو نے جامۂ گلدوز کل
آج اس کے تن پہ کیڑوں نے کیئے نقش و نگار

زندگی میں تو ہر اک عیب و ہنر پر تھی نظر
دیکھ لے یہ حال بھی جا کر بچشمِ اعتبار

جلال
عزیز لکھنوی

۷۲۔ مزارِ دوست

قبر پر الحمد پڑھکر دوست سے میں نے کہا
ہم گریباں چاک ماتم میں ترے دل دار ہیں

شاد ہو کچھ تو بھی زیرِ خاک اے نازک بدن
شمع روشن ہے گلوں کی قبر پر انبار ہیں

کیا ہوا مرنیکے بعد اے راہیٔ ملکِ عدم
لوگ کیسے ہیں وہاں کے اور کیا اطوار ہیں

منزلیں نزدیک ہیں یا دور ہیں کیا حال ہے
راہ میں کچھ بستیاں ہیں شہر ہیں بازار ہیں

جس محل میں جا کے تو اترا ہے اے رنگیں ادا
کس طرح کا قصر ہے کیسے در و دیوار ہیں

اہلِ صحبت کون ہیں کیا گفتگو کا طرز ہے
خوش بیاں خوش وضع یا کج فہم بد گفتار ہیں

بات کرنے کی صدا اصلا کبھی آتی نہیں
کس طرح کے لوگ ہیں سوتے ہیں یا بیدار ہیں

قبر سے آئی صدا اے دوست بس خاموش رہ
ہم اکیلے ہیں یہاں احباب نہ اغیار ہیں

پھول کیسے باغ کیسا عقل تیری ہے کہاں
کنج تنہائی ہے اور افعی گلے کے ہار ہیں

گر تمہیں وہ پیکرِ نازک ہمارا یاد ہو
آج خاکِ قبر سے اس پر منوں کے بار ہیں

اب زیادہ بات کر سکتے نہیں لے گھر کو جا
دل میں آزردہ نہ ہونا کیا کریں لاچار ہیں

جلد ۲

۴۳۔ مزار

دنیا کا طریقہ ہے کہ جب مرتا ہے انساں
رو دھو کے غرض کرتی ہیں تکفین کا ساماں
لیجاتے ہیں سب اسکے سوئے شہرِ خموشاں
ہاتھوں سے تہِ خاک اُسے کرتی ہیں پنہاں
مٹی کا لگا دیتے ہیں انبارِ گراں ایک
کہتے ہیں ہوئے آدمی کا ہے یہ نشاں ایک
کرتا ہے اگر تنگ بہت ہی دلِ مضطر
بیساختہ تربت سے لپٹ جاتے ہیں جا کر
دو پھول چڑھا دیتے ہیں ذی کس کی لحد پر
کرتے ہیں خطاب اس سے کبھی رو رو کر دن بھر
فی الجملہ حرارت تو نکل جاتی ہے دل کی
گو کچھ نہ ہو، ہوتی ہے مگر پھر بھی تسلی

۴۷ - ملکۂ نور جہاں کا مزار

جلد

ہاں اے لبِ راوی بتا کچھ رفتگاں کا ماجرا
کل تجھ پہ جن کا راج تھا، انجام ان کا کیا ہوا

ہے اب کہاں نورِ جہاں، حورِ جناں عصمت کی جاں
وہ بلبلِ شیریں زباں وہ قمریٔ ہندوستاں

تیرے کنارے ہے پڑا ٹوٹا سا جس کا آشیاں
عبرت فشاں عزت نشاں

شوکت تھی جس کی پاسباں، چاکر سے تھے جاہ و حشم
تھی بحر و بر کی سب سپہ حاضر لیے تیغِ دودم

خیل و خدم ناز و نعم رخت و خیم طبل و علم
افسوس رکھے رہ گئے خود چل دیئے سوئے عدم

عالم میں ہے کس کو بقا، نامِ بقا کس نے لیا،
قصرِ فنا ہے آسماں

آئی کہاں سے موت تو ایوانِ شاہی میں بھلا
کیا پاسباں حاضر نہ تھے جو روکتے تیرا گزر

ہاں پر تری پرواز کا آیا نہیں اِن کو نظر
یوں کھینچ کر لے جاتی ہے انساں سے اسکی روح کو
اُڑ جاتی ہے جیسے مگس گُل سے عسل کو سینچ کر
یا ہنس ہو جیسے ہَوا ڈنٹھل سے ریشہ کھینچ کر
رہتا ہے باقی بر زمیں، افسردہ گل بے انگبیں،
بیجان جسمِ ناتواں
تضحیکِ چرخِ پُرجفا دیکھو عیاں ہے برملا
ہے جس جگہ وہ مہ لقا جالا ہے مکڑی نے تنا
تا سائباں کا کام دے بیگم کے شاہی تاج پر
دو چار باقی پڑیں یا ٹہنیوں کے ڈھیر ہیں
یا چر رہی ہیں بکریاں یا بُوم کا ہے آشیاں
شاہی شکوہ و عزّ و شاں اُڑ جاتے ہیں شبنم صفت
باقی نہیں رہتا نشاں
دنیا نے گو چھوڑا مگر خدمت میں ہے نیچر ابھی
دیتی ہے پہرا رات بھر تربت پہ اس کے چاندنی

جلد

وہ بیگم زہرہ جبیں مرقد سے باہر آن کر
اور لے کے مشعلِ ماہ کی جاتی ہے جانب شاہ کی جلد

حالت نہ پوچھو راہ کی آنسو نکلتے جاتے ہیں
اور پھول کھلتے جاتے ہیں جب جھڑی ملتی جاتے ہیں

ہوتا غضب کا ہے سماں

اور جب اندھیری رات ہو تربت ہی اسکی بھاتی ہو
شبنم کہیں آجاتی ہے موتی کا سہرا لاتی ہے

دیتا ہے جگنو ٹمٹما گورِ غریباں پر دیا
شاخیں بڑھا کر ہاتھ کو پڑھتی ہیں گویا فاتحہ

پتے سسک رہ جاتے ہیں آتی ہے جب ٹھنڈی ہوا
حیرت کا بھی دھڑکے ہے دل ہاں دیکھ کر ایسا سماں

عبرت نگاہی چاہیئے انجام ہے یہ بے گماں
گو اس میں ہو شاہِ جہاں یا بادشاہِ این و آں

ہونا ہے تربت میں نہاں

دل

۵۷۔ ملکۂ نور جہاں کا مزار

بلدۂ

کہتے ہیں یہ آرام گہِ نور جہاں ہے
دن کو بھی یہاں شب کی سیاہی کا سماں ہے
اُٹھتا مگر اب تک سرِ مرقد سے دھواں ہے
مدت ہوئی وہ شمع تہِ خاک نہاں ہے

جلووں سے عیاں جن کے ہوا طور کا عالم
تربت پہ ہے ان کی شبِ دیجور کا عالم

کس باغ کے گُل ہو گئے کس عرش کے تارے
اے حسنِ جہاں سوز کہاں ہیں وہ شرارے
ہر شام چمکتے ہیں جو راوی کے کنارے
کیا بن گئے اب کرمکِ شب تاب وہ سارے

یا ہو گئے وہ داغ جہانگیر کے دل کے
قابل ہی تو تھے عاشقِ دلگیر کے دل کے

غالیچہ سرِ فرش ہے کوئی نہ دری ہے
تجھ سی ملکہ کے لئے یہ بارہ دری ہے
دن کو یہیں بسرام یہیں شب بسری ہے
کیا عالمِ بیچارگی اے تاجوری ہے

ایسی کسی جوگن کی بھی کٹیا نہیں ہوتی
ہوتی ہے مگر یوں سرِ صحرا نہیں ہوتی

یہ دَورِ زمانہ کے اُلٹ پھیر یہ اندھیر
تعویذِ لحد ہے زبر و زیر یہ اندھیر

اے گردشِ ایام یہ اندھیر یہ اندھیر — آنگن میں پڑے گرد کے ہیں ڈھیر یہ اندھیر جلد۱

ماہِ فلکِ حُسن کو یہ بُرج ملا ہے
اے چرخ تری ہیچ نوازی کا گِلا ہے

ہوتا ہی اثر دل پہ ان آثار سے کیا کیا — حسرت ہی ٹپکتی در و دیوار سے کیا کیا
اُٹھتے ہیں شررِ آہِ شرربار سے کیا کیا — نالے ہیں نکلتے دلِ افگار سے کیا کیا

یہ عالمِ تنہائی یہ دریا کا کنارہ
ہے تجھ سی حسینہ کے لئے ہُو کا نظارہ

آرام لیا کرتے ہیں اس روضہ میں آکر — چوپائے جو گھبراتے ہیں گرمی سے تو اکثر
اڑ اڑ کے لگاتے ہیں در و بام پہ چکر — اور شام کو بالائے سیہ خانوں سے شپّر

معمور ہے یوں محفلِ جانانہ کسی کی
آباد رہے گورِ غریبانہ کسی کی

جو نازکی میں داغ دہِ برگِ سمن تھے — آراستہ جن کے لئے گلزارِ چمن تھے
شاداب گُلِ تر سے کہیں جن کے بدن تھے — جو گُل رُخ و گُل پیرہن و غنچہ دہن تھے

پژمردہ وہ گُل دب کے ہوئے خاک کے نیچے
خوابیدہ ہیں خاک و خس و خاشاک کے نیچے

رہنے کے لئے یہ وہ دل جن کے مکاں تھے
جو پیکرِ ہستی کے لئے روحِ رواں تھے
محبوبِ دلِ خلق تھے جاں بخشِ جہاں تھے
تھے یوسفِ ثانی کہ مسیحائے زماں تھے

جو کچھ تھے کبھی تھے مگر اب کچھ بھی نہیں ہیں
ٹوٹے ہوئے پنجر سے پڑے زیرِ زمیں ہیں

دنیا کا یہ انجام ہے دیکھ اے دلِ ناداں
ہاں بھول نہ جائے تجھے یہ مدفنِ ویراں
باقی ہیں نہ وہ باغ نہ وہ قصر نہ ایواں
آرام کے اسباب نہ وہ عیش کے ساماں

ٹوٹا ہوا اک ساحلِ راوی پہ مکاں ہے
دن کو بھی جہاں شب کی سیاہی کا سماں ہے

محروم

۷۶ ۔ مقبرۂ نورجہاں

کیا اُسی بیگم کا ہے یہ خوار خستہ مقبرہ
برسوں ڈنکا جس کا ملکِ ہند میں بجتا رہا

جس کی صورت جلوۂ فردوس کی تصویر تھی
جس کی رنگینی بہارِ خطّۂ کشمیر تھی

جس کی رنگیں بزم رشکِ روضۂ فردوس تھی
بیکسی سے اس کے روضہ کی ہی کیا صورت بنی

ظالموں نے قبر کا تعویذ تک چھوڑا نہیں
کونسا گوشہ ہے تربت کا کہ جو توڑا نہیں

بذلہ سنجی سے تجمل ہوتی تھی جس کے پھلجھڑی
حیف وہ خاموش آغوشِ لحد میں ہے پڑی

قصر میں جس کے تھا بچھتا فرشِ دیبا و حریر
آہ فرشِ خاک پر سوتی ہے وہ ماہِ منیر

جمگھٹے میں نازنینوں کے جو کرتی تھی بسر
آہ اُس کی قبر پر اب بیکسی ہے نوحہ گر

سیج پر پھولوں کے سوتی تھی کبھی جو نازنیں
پھول دو سوکھے بھی اس کی قبر پر چڑھتے نہیں

جس کی پا بوسی کی کرتے آرزو گلہائے تر
خشک کانٹوں کا پڑا ہے ڈھیر اُس کی قبر پر

قصر میں جلتی تھیں جس کے شمعہائے عنبریں
حیف روشن اک دیا بھی قبر پر اُس کے نہیں

نام روشن ہی جہاں میں آہ جس کا سر بسر
نام کو بھی روشنی آئی نہ اُس کے قبر پر

کر دیئے جس نے بہت سو صاحبِ طبل و نشاں
اس شکستہ مقبرہ میں وہ پڑی ہی بے نشاں

جس نے صدہا خلعتِ دیبا و اطلس دیدیئے
حیف ترسے اس کی تربت ایک چادر کے لیئے

مانا مرقد پر نشانِ لوح بھی پیدا نہیں
نقشِ نامِ نیک لوحِ دل سے مٹ سکتا نہیں

گر نہیں ہے گور پر اس کے دیا تو کیا ہوا
ہے جہاں پر نور اس کے نام کا پھیلا ہوا

نیک ناموں کے نشاں باقی رہیں گے حشر تک
کیا ہوا گر دورِ گردوں نے مٹا دی قبر تک

حسرت شروانی

۷۷۔ گورِ غریباں

ہم نے دیکھا جب پڑی گورِ غریباں پر نظر — فرشِ گُل کے سونے والے سو رہے ہیں خاک پر
مونس و غمخوار جتنے تھے کنارہ کر گئے — آج کوئی نوحہ گر ان کا نہیں آتا نظر
فاتحہ کو بھی نہ آئے قبر تک وہ آشنا — زندگی میں جو کہ رہتے تھے بہم شیر و شکر
مال و زر یوں ہی پڑا رہ جائیگا سب ہیر پھیر میں — کام آئیگا وہی رکھا ہے جو زادِ سفر

ایک دن ہی خاک میں ملنا یہ سب کچھ خاک ہے
دولتِ دنیا پہ نازاں کیوں ہے انساں اسقدر

اوج

۷۸۔ گورِ غریباں

(انگریزی شاعر گرے کی مشہور آفاق نظم ایلیجی کا ترجمہ جو بہت مقبول ہوا

اصل نظم سے مقابلہ کرنے پر ترجمہ کی پوری خوبی معلوم ہوتی ہے

وداعِ روزِ روشن ہے گجر شامِ غریباں کا — چراگاہوں سے پلٹے قافلے وہ بے زبانوں کے
قدم گھر کی طرف کس شوق سے اُٹھتا ہے دہقاں کا — یہ ویرانہ ہے میں ہوں اور طائر آشیانوں کے

اندھیرا چھا گیا دنیا نظر سے چھپتی جاتی ہے — جدھر دیکھو اُٹھا کر آنکھ ادھر اک ہو کا ہی عالم
مگس لیکن کسی جا بھیرویں بے وقت گاتی ہے — جرس کی دُور سے آواز آتی ہے کبھی پیہم جلد

کبھی اک گنبدِ کہنہ پہ بومِ خانماں ویراں — فلک کو دیکھ کر شکووں کا دفتر باز کرتا ہے
کہ دنیا سے الگ اک گوشۂ عزلت میں ہوں پنہاں — کوئی پھر کیوں قدم اس کنج تنہائی میں دھرتا ہے

قطار اک سامنے ہی مولسریوں کے درختوں کی — وہاں قبریں ہیں کچھ مٹی کے جیسے ڈھیر ہوتے ہیں
ہر اک نے مر کے بس دو گز کفن، گز بھر زمیں پائی — بسانے والے جو اس گاؤں کے تھے سب وہ سوتے ہیں

نفس بادِ سحر کا نالۂ پُر درد بلبل کا — ہوئے بیکار سب ان کو اُٹھا سکتا نہیں کوئی
رہی بے فائدہ مستوں کی ہُو حق شور قلقل کا — ہیں ایسے نیند کے ماتے جگا سکتا نہیں کوئی

یہ چولھے آگ ہی روشن نہ اب ان کے گھڑے پانی — نہ گھر والوں کو اب کچھ کام ہی فکرِ شبستاں سے
نہ بی بی کو سرِ شام انتظار اب ہے نہ حیرانی — نہ بچے دوڑتے ہیں اب کہ لپٹیں آ کے داماں سے

وہی ہیں یہ جنھیں وقتِ درو مہلت نہ تھی دم بھر — وہی ہیں ہاتھ چلتے رہتے ہی تھے بیشتر جن کے
وہی ہیں یہ جنھوں نے ہل چلائے گیت گا گا کر — بڑے سرکش درختوں کو گراتے تھے تبر جن کے

نہ دیکھیں حال ان لوگوں کا ذلت کی نگاہوں سے — بھرا ہے جن کے سر میں غرّۂ نوابی و خانی
یہ ان کا کاسۂ سر گہ رہا ہے کج کلاہوں سے — عجب نادان ہیں جن کو ہے عجب تاجِ سلطانی

نہیں شایانِ فخر و ناز نوبت اور نقارہ — جو نازاں جاہ و ثروت پر ہیں ان پر موت ہنستی ہے

وہ ساعت آنے والی ہی نہیں جس سے کوئی چارہ — کہ فانی ہی جہاں ہر چیز کا انجام پستی ہے

نظر آتے نہیں کتنے مزاروں پر تو کیا غم ہے — چراغاں اور صندل اور گل و ریحاں ہو تو کیا
نہیں منگرا او کمخواب کی چادر تو کیا غم ہے — جو خوش آہنگ کوئی قاری قرآں نہ ہو تو کیا

بناتے ہو بہو تصویر اگر مدفن پہ رکھنے کو — پلٹ کر اس سے کچھ نکلی ہوئی سانس آ نہیں سکتی
دعا ہو فاتحہ ہو مرثیہ ہو آہ و زاری ہو — کوئی آواز اُن کے کان تک اب جا نہیں سکتی

خدا جانے تھے ان لوگوں میں کیا کیا جوہر قابل — خدا معلوم رکھتے ہوں گے یہ ذہن رسا کیسے
خدا ہی کو خبر ہے کیسے کیسے ہوں گے صاحب دل — خدا معلوم ہوں گے بازوئے زور آزما کیسے

زمانے نے مگر کوئی ورق ایسا نہیں اُلٹا — کہ بار فکر سے مہلت یہ پاتے سر اُٹھانے کی
مصیبت نے طبیعت کی روانی کو کیا پسپا — کہ بار آنے نہ پائی جوہر ذاتی دکھانے کی

بہت سے گوہر شہوار باقی رہ گئے ہوں گے — کہ جن کی خوبیاں سب مٹ گئیں تہ میں سمندر کی
ہزاروں پھول دشت و در میں ایسے کھلے ہوں گے — کہ جن کے مسکرانے میں تھی خوشبو مشک اذفر کی

یہ صاحب عزم ہیں گو رزم کی نوبت نہیں آئی — حکومت اپنے قریہ میں کی لیکن دست دشمن پر
فردوسی یہ ہیں جن کی زباں کھلنے نہیں پائی — وہ رستم ہیں نہیں سہراب کا خون جن کی گردن پر

مقدر نے انہیں مصروف رکھا قلبہ رانی میں — وگرنہ حکمرانی کا بھی جلوہ یہ دکھا دیتے
عجب کیا شہرۂ آفاق ہوتے خوش بیانی میں — اور اپنے کارنامے اہل عالم کو سنا دیتے

نہ ہے محروم نیکی سے بچے ہر اک برائی سے — نہ زورِ ہر دم آزاری نہ شورِ فتنہ انگیزی
نہ دولت کی طمع میں بے گناہوں کے گلے کاٹے — نہ کی خلقِ خدا کے ساتھ بے رحمی و خونریزی جلدؔ

نہ صحبت میں امیروں کی کبھی خونِ جگر کھایا — نہ اونٹایا الو اپنا کبھی جھوٹی خوشامد سے
نہ مل کر روغنِ قاز آتشِ نخوت کو بھڑکایا — کہ جس سے خود پسندوں کا تبختر بڑھ چلے حد سے

الگ ہر نیک و بد سے دورِ دنیا کے مکائد سے — گئے بیگانہ وار اور خلق میں بیگانہ وار آئے
رہے محفوظ ابنائے زمانہ کے مفاسد سے — قدم راہِ توکل سے کبھی ڈگنے نہیں پائے

نہ دیکھ ان استخواں ہائے شکستہ کو حقارت سے — یہ ہے گورِ غریباں اک نظر حسرت سے کرتا جا
نکلتا ہے یہ مطلب لوحِ تربت کی عبارت سے — جو اس رستے گزرتا ہے تو ٹھنڈے سانس بھرتا جا

لکھے ہیں نام ان قبروں پہ گو کاواک حرفوں میں — مگر بھولے ہوئے کو ٹھیک رستہ یہ بتاتے ہیں
زیادہ اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا اگر سوچیں — کہ جو مرنے سے ناواقف ہیں رستہ سیکھ جاتے ہیں

جو آیا ہے جہاں میں یاں سے جانا ہے اسے اک دن — یہ ہونا ہے کوئی چاہے گا دل سے یا نہ چاہے گا
مگر جاتے ہوئے پھر کر نہ دیکھے یہ نہیں ممکن — دلوں سے یاد بھی مٹ جائے یہ چاہا نہ جائے گا

کوئی زانو کسی کا ڈھونڈتا ہے دم نکلنے کو — کہ دیکھے اشک گرتے چاہنے والے کے دامن میں
کسی کی ہے یہ خواہش دوست کاندھا دیں جنازے کو — پھر اس پر فاتحہ کی آرزو ہے کنجِ مدفن میں

حقیقت غور سے دیکھی جو ان مرنے والوں کی — تو ایسا ہی نظر آنے لگا انجام کار اپنا

انھیں کی طرح جیسے مل گئی ہیں خاک میں ہم بھی یوں ہی پُرساں حال آنکلا ہے ایک دوست ارمانا

جلد یہ اس سے ایک دہقانِ کہن سال آکے کہتا ہے کہ ہاں ہاں خوب ہم واقف ہیں دیکھا ہے اسے اکثر
پھر اس کے بعد دل ہی دل میں کچھ غم کھا کے کہتا ہے کہ اب تک پھرتا ہے آنکھوں میں پھرنا اُس کا سبزہ پر

وہ اس کا تڑکے تڑکے ادھر گلگشت کو آنا وہ پو پھٹنے سے پہلے آکے پھرنا سبزہ زاروں میں
وہ کچھ کم دن رہے سے اس کا لبِ جُو کی طرف جانا وہ اس کا مسکرانا دیکھ کر شورِ آبشاروں میں

کبھی ایسی ہنسی لب پر کہ ظاہر جس سے کچھ نفرت اور اس کے ساتھ ہی کچھ زیرِ لب کہتے ہوئے جانا
کبھی تیوری چڑھائے مُنہ بنائے رنج کی صورت کہ جیسے دل پہ صدمہ ہے زباں جس سے ہے بیگانہ

غرض کیا کیا کہوں اک روز کا یہ ذکر ہے صاحب کہ اس میداں میں پھرتے صبحدم اس کو نہیں دیکھا
ہوا پھر دوسرا دن اور نظر سے وہ رہا غائب خیاباں میں اسے پایا نہ دریا پر کہیں دیکھا

پھر اس کے تیسرے دن دیکھتا کیا ہوں جنازے کو لئے آتے ہیں سب پڑھتے ہوئے کلمہ شہادت کا
تمھیں پڑھنا تو آتا ہوگا آؤ پاس سے دیکھو یہ اس کی قبر ہے اور یہ کتابہ سنگِ تربت کا

اب آغوشِ لحد میں سو رہا ہے چین سے کیسا گیا افسوس لیکن یہ جواں ناکام دنیا سے
دکھایا جاہ و شہرت نے نہ بھولے سے بھی مُنہ اپنا پھر ایسے نامرادوں کو بھلا کیا کام دنیا سے

ہر اک کے درد دُکھ سے اس کو رہتا تھا سدا مطلب ہوا ممکن تو یاری کی نہیں تو اشکباری کی
دیا دستِ تہی کے ساتھ طینت میں کرم یارب میں تیری شان کے قربان کیا اچھی تلافی کی

خدا بخشے اسے بس دوست کا رہتا تھا وہ جویا
تو نکلا دوست اک آخر خداوندِ کریم اس کا
اب اس کے نیک و بد کا ذکر کرنا ہی نہیں اچھا
کہ روشن ہے خدا پر عالمِ اُمید و بیم اس کا جلد

طبا طبائی

۷۹۔ قبرستان

ایک دن گورِ غریباں میں ہوا میرا گذر
دل کے داغ ابھرے ہوئے دیکھے بساطِ خاک پر
ہنس رہی تھیں جا بجا ٹوٹی ہوئی قبریں جہاں
عالمِ اسباب کی نیرنگیوں کو دیکھ کر
اِن کی قبروں پر کہ جو تھے مجلس آرائے وجود
شمع روشن تھی نہ تھی اک چادرِ گلہائے تر
رو رہی تھیں صرف ناکامی پر ان کی حسرتیں
کوئی ماتم کرنے والا تھا نہ کوئی نوحہ گر
ہو کا عالم اور بھیانک رات اور وہ بیکسی
ہل گیا دل عالمِ گورِ غریباں دیکھ کر
خونِ دل بہنے لگا آنکھوں سے دھیان آیا مجھے
دفن اس عبرت سرا میں ہے مرا شفق پدر
یہ خیال آتے ہی دوڑا ایک تربت کی طرف
فاتحہ پڑھنے کو تنہا خاک بر سر نوحہ گر
قبر کے ذرّات کو دی جذبِ دل نے زندگی
خاک میں جنبش ادھر تھی ہل رہا تھا دل اُدھر

عزیز

شہرِ خموشاں

کل سوئے گورِ غریباں جو ہوا میرا گزر
ہو گیا پیشِ نظر عالمِ ہو کا منظر

اپنی روداد سناتے تھے لحد کے کتبے
ایک افسانۂ عبرت تھے وہ خاموش کھنڈر

جن کے پرچم تھے فتحمندی و نصرت کی دلیل
جن کی شمشیر سے اقبال کے جھڑتے تھے شرر

جن کی سطوت سے دلیروں کے تھے پتے پانی
جن کی ہیبت سے لرز جاتے تھے شیروں کے جگر

جن کی عظمت کا جہاں بھر میں بجا تھا ڈنکا
جن کا سکہ تھا رواں دہر میں کشور کشور

ماند تھی محفلِ جم بزمِ طرب سے جن کی
شمعِ محفل تھے جہاں اہلِ خرد اہلِ نظر

جن کے دروازے سے دولت کا نشاں ملتا تھا
کسی گنتی میں نہ تھے سیم و زر و لعل و گہر

مستمندوں کے لئے وقف تھی جن کی دولت
ایک توجہ میں سنور جاتے تھے بگڑے ہوئے گھر

جن کی یہ آن تھی یہ شان تھی یہ شوکت تھی
جن کی تمکین سے تھی بزمِ جہاں زیر و زبر

حیف صد حیف وہ تھے گورِ غریباں کے مکیں
دفن تھے خاک میں اور خاک تھی ان کے اوپر

ان کی قبروں پہ جو گنبد تھے شکستہ تھے بہت
اینٹ مٹی سے تو چونے سے جدا تھے پتھر

بوم تھے گنبدِ شاہی کے نگہبانوں میں

بیکسی مرثیہ خواں تھی لحدِ شاہاں پر بلدؔ

یہ سماں دیکھ مرا درد سے جی بھر آیا — اور وہیں بیٹھ گیا خاک پہ میں تیورا کر

کس نے اس شہرِ خموشاں کی بنا ڈالی ہے — خاک پر کس لئے بکھرے ہیں یہ اعلیٰ گوہر

سُن کے یہ بات "فنا" مجھ سے ہوئی یوں گویا — کیا ہُوا پڑ گئے کیوں تیری سمجھ پر پتھر

کس میں قدرت ہے کرے گلشنِ عالم تاراج — کس کی طاقت ہے کرے نظمِ جہاں زیر و زبر

کس کی ہستی ہے جو کہلائے خداوندِ جہاں — ہاں مگر ایک "خداوند" خدائے اکبر

اس کو زیبا ہے شہنشاہیِ کونین کہ وہ — ایسا بے مثل ہے جس کا نہیں کوئی ہمسر

اس کی توحید کے گاتے ہیں ترانے شب و روز — فرش سے عرش تلک حور و ملک جن و بشر

ذرہ ذرہ سے عیاں شانِ خدائے یکتا — قطرہ قطرہ پہ رواں حکمِ خدائے برتر

جس کو چاہے اسے دنیا میں سرافراز کرے — جس کو چاہے اُسے ذلت سے کرے خوار ابتر

جس کو چاہے اُسے دے سلطنت و تاج و سریر — جس کو چاہے وہ کرے خاک نشیں خاک بسر

تاج والے ہی رہیں گے نہ یہاں باجگزار — چل سکے گی نہ حکومت نہ یہاں زور نہ زر

اس کی قدرت کا یہ ادنیٰ سا کرشمہ ہے کہ میں — تاجِ شاہی پہ لگاتی ہوں ہمیشہ ٹھوکر

کاہ سے کوہ تلک جُزو سے لے کر کُل تک — سب پہ چلتا ہے عمل میرا بہ فرمانِ قدر

میں نے ہی شہرِ خموشاں کی بنا ڈالی ہے
میرے ہی زیرِ اثر تو ہیں یہ سب گنبدِ در

جلا

نثار احمد

۸۱۔ جامِ شہادت

تڑپتا ہے تنہا وہ فرشِ زمیں پر ۔۔۔ نہ غمخوار کوئی نہ تکیہ نہ بستر
ادھر اس کی بندوق ٹوٹی پڑی ہے ۔۔۔ گرا خاک پر ہے اُدھر اُس کا خنجر
نہ آتی ہے کانوں میں آوازِ ہمدم ۔۔۔ کہ پانی پلائے اسے ترس کھا کر
نہ توپوں کا شور اور نہ گولوں کی بارش ۔۔۔ نہ گھوڑا نہ جھنڈا سپاہی نہ افسر
تعاقب میں دشمن کے سب چل دیئے ہیں ۔۔۔ عقب میں اسے چھوڑ حیران و مضطر
وہ حسرت سے چاروں طرف دیکھتا ہے ۔۔۔ کبھی لیٹے لیٹے کبھی سر اُٹھا کر
تباہی کے آثار ہر سو عیاں ہیں ۔۔۔ بنی ہے زمیں خوں سے دریائے احمر
نہ گھر کی خبر ہے نہ غمخوار کوئی ۔۔۔ نہ باپ اور نہ بیٹا برادر نہ مادر
سرہانے کھڑی یہ اجل کہہ رہی ہے ۔۔۔ کہ اس زخمِ کاری سے ہوگا نہ جانبر

اسی کشمکش میں وہ دم توڑتا ہے
گلستانِ ہستی سے مُنہ موڑتا ہے

مئے قوم و ملّت کے سرشار آؤ
بہادر سپاہی کا لاشہ اُٹھاؤ
وطن کی محبت میں مارا گیا ہے
اسے اس کی خاکِ وطن میں سُلاؤ جلد
بدن اس کا زخموں سے ہی چُور سارا
ذرا قبر میں ہلکے ہلکے لٹاؤ
کِھلا کچھ نہ غنچہ اُمیدوں کا اس کی
تم اب اس کی تربت پہ کلیاں چڑھاؤ
سپاہی کی عزّت اگر چاہتے ہو
تو "اللہ اکبر" کے نعرے لگاؤ
کسی کے بھرے گھر کا یہ نور ہو گا
سرِ شام مرقد پہ شمعیں جلاؤ
کبھی غیر قوموں میں گر جا کے بیٹھو
تو اس کی دلیری کے قصّے سُناؤ
مصائب کا اس کی اگر دھیان آئے
تو آنکھوں سے آنسو کے قطرے گراؤ

وہ مذہب پہ اپنے فدا ہو گیا ہے
وہ فانی سے اہلِ بقا ہو گیا ہے

نجم گیلانی

۸۲۔ میدانِ جنگ

جہاں کل سپہ دار تھے حکمراں
کھڑے تھے جہاں ترچھے بانکے جواں
جہاں کل تھے فیلانِ جنگی ہزار
کُداتے تھے گھوڑے جہاں شہسوار

جہاں پاسباں کل نہ تھے للکارتے پرندے بھی ڈرتے تھے پر مارتے
وہاں آج لاشوں کے انبار ہیں پڑے ہر طرف سینہ افگار ہیں
وہ سر جس پہ تھا کل جواہر کا تاج
سو ہے خاک اور خوں میں آلودہ آج

اسمٰعیل

۸۳۔ فنا

سامنے آنکھوں کے دریا سبز لہراتا ہوا ناز سے جھونکا نسیم صبح کا آتا ہوا
برف کی وردی میں لشکر ابر کا جاتا ہوا موسمِ گلہائے رنگیں دل کو گرماتا ہوا
اپنے اپنے وقت پر ہر اک فنا ہو جائے گا
دیکھ لینا چار دن میں کیا سے کیا ہو جائے گا
پھر نہ بحرِ نیلگوں اس لطف سے لہرائے گا نے کوئی جھونکا ہوا کا باغ میں پھر آئے گا
ابر کا ٹکڑا تنک صورت نہ پھر دکھلائے گا شیشۂ دل سنگِ ناکامی سے ٹکر کھائے گا
نام رہ جائے گا باقی بس خدائے پاک کا
نقش وہ مٹ کر رہے گا جو بنا ہی خاک کا

جا چکی ہم سے ہمیشہ کے لئے فصلِ بہار
موت دروازہ پہ کرتی ہے ہمارا انتظار
چھوڑتے جاتے ہیں بزمِ عیش یارِ غمگسار
ہم کو بھی جانا پڑے گا ہو گی جب اپنی پکار جلد

گردشِ چرخِ بریں نیچا ہمیں دکھلائے گی
مادرِ گیتی ہمیں آغوش میں بٹھلائے گی

جس جگہ احباب کی اپنے رسائی تک نہیں
بزمِ عشرت کی صدا جس گھر میں آئی تک نہیں
نغمۂ بلبل جہاں دیتا سنائی تک نہیں
بھول کر جس جا نسیمِ صبح آئی تک نہیں

ایسے ویراں گھر میں ہم کو چھوڑ جائیں گے عزیز
بعدِ مردن ہم نہیں گویا ہیں اُن کے عزیز

عالمِ پیری ہے چہرہ ہو گیا ہے زرد فام
دانت رخصت ہو گئے بازو نہیں دیتے ہیں کام
جسم ٹھنڈا ہو گیا ہے موت کا پہنچا پیام
کوسِ رحلت بج گیا اپنا بھی یارو والسّلام

مادرِ گیتی یوں ہی اک دن فنا ہو جائے گی
چار دن میں آب و تاب اس کی ہوا ہو جائے گی

ہم نہیں دنیا میں جب بادِ نسیم آیا کرے
موجِ بحرِ نیلگوں سر اپنا ٹکرایا کرے
صبحِ عشرت آسماں سے نور برسایا کرے
شامِ وصلت عاشقوں کو لطف دکھلایا کرے

ہم کو کافی ہے زمیں دو ہاتھ سونے کے لئے
فرشِ خاکی خوب ہے اپنے بچھونے کے لئے

جلالؔ

عزیز الرحمٰن صاحب بلگرامی

۸۴۔ فنا

ہر صبح کو یہ شور ہے مرغِ سحری کا
چونکو کہ زمانہ نہ رہا بے خبری کا

وقفہ نہیں اب بزم سے ہوتا ہے یہ رخصت
منہ دیکھ رہا ہوں میں چراغِ سحری کا

دیتا ہے خبر پر خبر احباب کا اٹھنا
پردہ نہیں اٹھتا ہے مگر بے خبری کا

کچھ روز ابھی صبر کر اے پنجۂ وحشت
ہے موسمِ گل لطف نہیں پردہ دری کا

سرِ راہِ عدم گورِ غریباں طرفہ بستی ہے
کہیں غربت برستی ہے کہیں حسرت برستی ہے

نہ گھبرا اے دلِ واماندہ اب منزل قریب آئی
اسی بستی کے آگے اور آباد ایک بستی ہے

کبھی کروٹ نہیں لیتا کوئی گورِ غریباں میں
یہ کیسی نیند سوتے ہیں یہ کیسی ان کی بستی ہے

امیرؔ

۸۵۔ عبرت

جلد؟

ہے یقیں اس کا کہ اک دن بے گماں کچھ بھی نہیں
یہ زمیں کچھ بھی نہیں یہ آسماں کچھ بھی نہیں

کیا ہے انساں ایک مشتِ استخواں کچھ بھی نہیں
بلبلا پانی کا ہے عمرِ رواں کچھ بھی نہیں

سب ہیں فانی کیا زمیں کیا آسماں کچھ بھی نہیں
اِک خدا کو ہے بقا دونوں جہاں کچھ بھی نہیں

زندگی تک ایک عالم جن کے تھا زیرِ نگیں
بعد مُردن ان کا اب نام و نشاں کچھ بھی نہیں

رنگ کیا فصلِ خزاں لائے گی۔ رکھ اس کا خیال
پھول کی دو دن بہار اے باغباں کچھ بھی نہیں

آہ سے مظلوم کی ڈر ظالمِ نخوت پرست
سامنے جس کے زمین و آسماں کچھ بھی نہیں

کیسی نادانی ہے کارِ خیر میں کرتا ہے ڈھیل جلدؔ
موت کے تو سامنے پیر و جواں کچھ بھی نہیں

ذہین

۸۶ - فسانۂ دل

نہ سُنے دردِ دل مرا نہ سُنے میں کہوں گا سُنے وہ یا نہ سُنے
لاکھ دلچسپ ہے مرا قصّہ مگر اُس نے کبھی سُنا نہ سُنے
جو کوئی درد آشنا ہو امیرؔ
اِدھر آئے مرا فسانہ سُنے

امیر

۸۷ - دیوانہ فرزانہ

دل تو دل عرشِ معلّٰے بھی لرز جائے گا تیرا دیوانہ اگر بر سرِ فریاد آیا
میری اُمیدِ دلی گر نہ بر آئی ہوگی مرے مولیٰ تری کیا شانِ خدائی ہوگی
دیکھ اتنا نہ ستا مجھکو ستم گر ورنہ میرے نالوں کی بہت دور رسائی ہوگی

میری فریاد یہاں کوئی سُنے یا نہ سُنے
آپ سُن لیں گے جہاں جا کے سُنائی ہو گی

جلد؟
رازِ دل اپنا کسی سے نہ کہو اے عالیؔ
بات جو نکلے گی مُنہ سے وہ پرائی ہو گی

عالی

۸۸- ماں کی آس مُراد

دل سے اُس ماں کے کوئی آس کی خوشیاں پوچھے
مِنّتیں مان کے بچے کو ہو پایا جس نے
کس کس انداز سے لیتی ہے بلائیں اس کی
کس کس اُمید پہ جاں اس پہ ہے قرباں کرتی
بوسہ لیتی ہے کبھی اس کی جبیں کا خوش ہو
دودھ پھر گود میں لے کر ہے پلاتی اس کو
کبھی گہوارے میں لیجا کے سُلاتی ہے اُسے
پھر اُٹھا کر کبھی چھاتی سے لگاتی ہے اُسے
پھر وہ اُس کو ہے اک انداز سے لوری دیتی
بھینی بھینی عجب آواز سے لوری دیتی
رہتی ہے دُھن میں اِسی کی وہ غریب آٹھ پہر
گھٹنیوں چلنے لگا جب وہ ذرا لختِ جگر
پھر تو رستے میں ہے اس کے وہ بچھاتی آنکھیں
پاؤں اور گھٹنوں سے اس کے ہے لگاتی آنکھیں
واری جاتی ہے کبھی ہوتی ہے قربان کبھی
کبھی دل اس پہ فدا کرتی ہے اور جان کبھی
کرتی ہے سالگرہ اس کی بڑی دھوم سے وہ
جی کو خوش کرتی ہے اس شادی معصوم سے وہ

پورے کرتی ہے سبھی اپنے وہ دل کے ارماں
سارے کنبہ کو بلاتی ہے گھر اپنے مہماں

سو سو انداز سے کرتی ہے وہ بچے کا سنگار
دیکھتی ہے وہ پھر امید کی خوشیوں کی بہار

جوں جوں بڑھتا ہے اسی طرح وہ اس کا فرزند
ہوتی جاتی ہے امیدوں کی خوشی بھی صد چند

پھر وہ پڑھنے کے لئے رکھتی ہے تاکید مدام
ہر طرح سے اسے دیتی ہے ہمیشہ آرام

کہتی ہے اس کو خدا جلدی سے پروان چڑھائے
چھوٹی سی عمر میں بچہ مرا قابل ہو جائے

جب نہ لکھ پڑھ کے ہوا نیکی بدی سے آگاہ
کرتی ہے وہ بڑی تیاری سے پھر اس کا بیاہ

ہوتی ہے باپ کو بھی گرچہ بہت سی ہی خوشی
پر کہاں اس کو ہوا کرتی ہے ماں کی سی خوشی

اشرف

۸۹- روزِ عید

جہاں میں روشنی صبح بھی نہ پھیلی تھی
خوشی میں عید کی مؤذن نے پہلے ہی دی اذاں

گھروں میں بچے جو پچھلے پہر سے جاگے تھے
ہیں شوقِ عید میں بیتاب ان کو نیند کہاں

اذاں کے سنتے ہی کہتے ہوئے یہ اٹھ بیٹھے
کریں گے غسل سویرے سے کپڑے لا اماں

کہا کسی نے کہ سردی ہے دھوپ تو نکلے
مچل کے بولے نہائیں گے ہم ابھی ہاں ہاں

جذ؟

وہ دیکھو صبح بھی اب صاف ہو گئی ظاہر
ہوا وہ مطلعِ مشرق سے مہر نور افشاں
ہر ایک سمت سے ظاہر خوشی کے ہیں آثار
ہے آج جمع مسرّت کا ہر طرف ساماں
ہر اک ہے بننے سنورنے کی فکر میں مصروف
بنا ہوا ہے خوشی کا چمن ہر ایک مکاں
وہ دیکھو غسل کوئی کر رہا ہے ہنس ہنس کر
بدل رہا ہے کوئی کپڑے اور ہے شاداں

سنور رہا ہے کوئی، مل رہا ہے عطر کوئی
کوئی حسین ہے آئینہ دیکھ کر نازاں

وہ آفتاب بھی اب ہو گیا کچھ اور بلند
نماز کے لئے نکلا ہر ایک خورد و کلاں
کوئی فٹن پہ ہے بگّی پہ کوئی ٹمٹم پر
پیادہ پا ہے کوئی سوئے عید گاہ رواں
بغل میں کوئی لئے جا رہا ہے بچّوں کو
کسی کی تھامے ہوئے انگلی طفلِ ابجد خواں

وہ کون ہے کہ نہیں آج جس کے دل میں خوشی
وہ کون ہے کہ ہنسی ہو نہ جس کے لب پہ عیاں

انجم

جلد ۲

۹۰ - ایک یتیم کی عید

عید کے دن جب خوشی تھی ہر طرف پھیلی ہوئی
ایک بچی چھوٹی سی کوٹھے پہ اپنے چڑھ گئی

اس نے دیکھا اپنے ہمسایہ کے گھر کا ماجرا
یعنی تھا مصروفِ خود آرائی ہر اِک چھوٹا بڑا

ایک جانب تھیں سوّیاں اک طرف کھانے چُنے
کھا رہے تھے بیٹھے بیحد شوق سے چھوٹے بڑے

باپ سے بچے لپٹ جاتے نہایت شوق سے
باپ بھی ان کو محبت سے لگا لیتا گلے

بچے بچے کا یہی شکوہ تھا باہم باپ سے
آج تو ہم اتنی کم عیدی نہ لیں گے آپ سے

جگمگاتی پھر رہی تھیں چھوٹی چھوٹی بچیاں
دیکھ کر خوش ہو رہے تھے دل ہی دل میں باپ ماں

دیکھکر یہ حال لڑکی کوٹھے سے آئی اُتر
اور لپٹ کر ماں سے یوں کہنے لگی باچشم تر

آپ نے اماں سوئیاں تک نہ دیں مجھ کو پکا
ایک پیسہ بھی نہ عیدی کا مجھے اب تک ملا

حال میرا آپ آخر دیکھتی ہیں یا نہیں
عید کے دن بھی مرے تن پر نیا کپڑا نہیں

اوڑھنی کو دیکھئے ہے کس طرح سے تار تار
پائجامے میں نہیں پیوند کا کوئی شمار

دیکھئے کُرتے کو اس کا بھی تو دامن چاک ہے
جبکہ ہو کپڑوں کی حالت عید کیا پھر خاک ہے

ہاتھ اس کے سر پہ رکھکر ماں لگی کہنے کہ ہاں ۔ اے مری بچی اگر دیتا مجھے کچھ بھی خدا
کیوں تجھے ترساتی میں ای جان مانگے ہوئے ۔ کیا تجھے کپڑے بنا دیتی نہ ہی عید کے جلد؟
تجھ پہ میں قربان جاؤں اے مری نورِ نظر ۔ سچ تو یہ ہے تیرے ہی دم سے اُجالا ہے یہ گھر
سینکڑوں ارمان ہیں سینے میں لاکھوں حسرتیں ۔ ہاتھ ہی خالی ہو جب اپنا تو آخر کیا کریں

کُڑھ رہی ہوں دل ہی دل میں تیری حالت دیکھکر
چھوٹ جاؤں غم سے مر جاؤں اسی غم میں اگر

سُن کے دُکھیا ماں کی وہ باتیں پریشاں ہو گئی ۔ ڈال کر بانہیں گلے میں اس طرح کہنے لگی
تم کو رنجیدہ اگر کرتی ہیں یہ باتیں مری ۔ تو قسم کھاتی ہوں اماں اب نہ مانگوں گی کبھی
تم انھیں کپڑوں کو سیدو گی تو خوش ہو جاؤنگی ۔ ٹکڑے باسی روٹی ہی کے شوق سے میں کھاؤنگی
ریس اوروں کی کروں گی اب نہ اماں جان میں ۔ میں ہوں بِن ابا کی اور ان کے ابا جان ہیں
اِک سہارا میرا لے دے کے تمھاری ذات ہے ۔ میں کُڑھاؤں تم کو آخر یہ بھی کوئی بات ہے
لڑکیو! ہر وقت مانگو تم خدا سے یہ دُعا ۔ عمر بھر سایہ تمہارے سر پہ ہو ماں باپ کا

ہے دعا تجھ سے اڈیٹر کی بھی اے پروردگار
ہو جدا ماں باپ سے اپنے نہ کوئی زینہار

حمیدی بیگم

۹۱۔ طالب علم کی اُمید

ہیں کتب خانۂ ہستی میں بہت صاحبِ علم
اور بہت مدرسۂ دہر میں ہیں طالبِ علم

سوزِ محنت سے بہاتے ہیں پسینے اپنے
حسرتوں سے کئے لبریز ہیں سینے اپنے

نہ تو کھانے کا ہی کچھ فکر نہ پانی کا خیال
ذوقِ راحت ہی نہ ہی لطفِ جوانی کا خیال

ہو گئے وصل کتابوں میں ہیں وصلی کی طرح
بلکہ پیوندِ ورق ہیں جزِ اصلی کی طرح

پھرتے دن بھر ہیں کتابیں لئے سودائی سے
ہاتھ اُٹھا بیٹھے اسی شغل میں بینائی سے

تن کو راحت نہیں اور جان کو آرام نہیں
دن ہو یا رات انھیں محنت کے سوا کام نہیں

روز و شب خونِ جگر اپنا جو کھاتے ہیں وہ
اور بلا بارِ مشقت کی اُٹھاتے ہیں وہ

ان مصائب کی ہی تو ہی انھیں طاقت دیتی
لطفِ انجام سے ہے حسنِ لیاقت دیتی

دیدۂ دل میں لگا دیتی ہے سُرمے کیا کیا
دیتی ہے شاہدِ مقصود کو جلوے کیا کیا

اہلِ تصنیف کو ہے عمرِ دوامی دیتی
بادۂ شوق سے ہے عیش مدامی دیتی

سطحِ کاغذ پہ تو ایک باغ کھلا دیتی ہے
برگ و بار اس میں مرادوں کے لگا دیتی ہے

ہوتے شاداب ہیں دلہائے فسردہ ان سے
تازہ دم ہوتے ہیں سب کے دلِ مردہ ان سے

آزاد

۹۲۔ غریب طالبِ علم

جلدؔ

بیکسی پر ان کی اے ناداں نہ جانا چاہیئے
رحمتِ حق کے لئے آخر بہانا چاہیئے

ان غریبوں میں بہت سے صاحبِ اقبال ہیں
نقد استعداد سے قبضہ میں مالامال ہیں

دیکھنا اوجِ شرف پر جلوہ گر ہو جائیں گے
یہ ستارے ایک دن شمس و قمر ہو جائیں گے

ان غریبوں میں کوئی نقادِ علم و فن نہ ہو
بو علی سینا نہ ہو ان میں کوئی بیکن نہ ہو

رودکی ان میں نہ ہو دیکھو کوئی چاسر نہ ہو
ان پھٹے کپڑوں میں فردوسی نہ ہو ہومر نہ ہو

کیا کوئی بھی صاحبِ فہم و ذکا ان میں نہیں
کیا خبر تجھ کو معلم تیرا ان میں نہیں

کیا عجب ان میں مجدد یا مدقق کوئی ہو
شاید علامہ ہو ان میں یا محقق کوئی ہو

جوہرِ فنِ سخن شاید کسی کے پاس ہو
تجھ کو ناداں کیا خبر ہے ان میں کالیداس ہو

دیکھنا اللہ کی ذرہ نوازی دیکھنا
ان میں سے نکلے گا کوئی فخرِ رازی دیکھنا

ایک دن یہ صاحبِ علم و عمل ہو جائیں گے
سینکڑوں مشکل مسائل ان سے حل ہو جائیں گے

دیکھنا اللہ کی قدرت یہ کیا ہو جائیں گے
چار دن میں ملک کے حاجت روا ہو جائیں گے

مرزا ہادی

جلا؟

۹۳ - پپیہے

وہی تان پھر سُنا دے مرے خوشنوا پپیہے
مرے دل رُبا پپیہے مرے خوش ادا پپیہے

اُسی دردمند دل سے اُسی صوتِ مضمحل سے
ترے عشق کے تصدق وہی راگ گا پپیہے

مری نیند اُچٹ گئی ہے تری صوتِ جانفزا سے
دلِ مضطرب ہے بیکل اُسے تو سُلا پپیہے

یہ گھٹائیں کالی کالی یہ ہوا کے سرد جھونکے
کوئی تان اُونچے سُر میں وہی پھر لگا پپیہے

تجھے روئے گل دکھا دوں تجھے سرو سے ملا دوں
تری بے کلی کا آخر ہے علاج کیا پپیہے

یہ غضب کی آہ و زاری یہ بلا کی بے قراری
تجھے کس کا ہے تصور ہمیں کچھ بتا پپیہے

(۱۵

جلد ۲

۹۴- پی

پپیہے او پپیہے، تو یہ کیوں آنسو بہاتا ہے
زباں پر تیری پی پی کس لیئے رہ رہ کر آتا ہے
صدائے دردِ غم کیوں دردمندوں کو سناتا ہے
جو خود ہی جل رہا ہو اور کیوں اس کو جلاتا ہے

کاٹوں توری چونچ پپیہے ڈالوں وا پہ نون
میں پیو کی، اور پیو مورا، تو پی کہے سو کون

شمیمِ زلفِ عنبر بیز پھیلاتا ہے کیوں ظالم
تجھے افشائے رازِ دوستاں بھاتا ہے کیوں ظالم
مرے آگے ترانہ عشق کا گاتا ہے کیوں ظالم
کسی کا نام لے لے کر یہ چلّاتا ہے کیوں ظالم

کاٹوں توری چونچ پپیہے ڈاروں وا پہ نون
میں پیو کی، اور پیو مورا، تو پی کہے سو کون

غمِ آرام جاں میں اور بے آرام کرتا ہے
رموزِ خاصِ عشق و عاشقی کیوں عام کرتا ہے
سرِ بازار نامِ یار کیوں بدنام کرتا ہے
کسی کے راز کیوں کمبخت طشت از بام کرتا ہے

کاٹوں توری چونچ پپیہے ڈاروں وا پہ نون
میں پیو کی، اور پیو مورا، تو پی کہے سو کون

اندھیری رات میں سوتوں کو چونکا دیئے چلّا کر
برنگ بوئے گل نادان جامے سے نہ ہو باہر

اری ننھی سی چڑیا جان ننھی سی یہ ہاں گز بھر چڑھا دے گا کوئی منصور کی مانند سولی پہ
بلا؟
کاٹوں توری چونچ پہ پیڑے واروں واپہ نون
میں بیوگی، اور پیو مورا، تو پی کہے سو کون

امجد

۹۵- بلبل

واہ کیا خوب پر و بال نکالے بلبل اُڑتے ہی پڑ گئی صیاد کے پالے بلبل
تو گرفتار ہے صیاد کا سمجھے تو مزاج تھوڑی تھوڑی ابھی آواز نکالے بلبل
خوش بیانی ہے تری سارے چمن میں مشہور کچھ تو صیاد کو باتوں میں لگالے بلبل
دھیان صیاد کا گلچیں کا خطر خوفِ خزاں ہو بلا ایک تو سر سے اُسے ٹالے بلبل
پھول گلشن میں نہ آئے تھے کہ صیاد آیا
دل کے ارمان کہو خاک نکالے بلبل

امیر

۹۶۔ وداعِ بلبل

جلد۲

کہو بلبل کو لیجائے چمن سے آشیاں اپنا
پڑھے گر صد ہزار افسوں نہ ہوگا باغباں اپنا
ہوئی جب باغ سے رخصت کیا رو رو کی یا قسمت
لکھا تھا یوں کہ فصلِ گل میں چھوڑوں آشیاں اپنا
یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سے زندگی کٹتی
اگر ہوتا چمن اپنا گل اپنا باغباں اپنا

نہ تو نے گل کیا اپنا نہ بلبل باغباں اپنا
چمن میں کس بھروسے پر بنایا آشیاں اپنا

علی گوہر

۹۷۔ بلبل اسیر

چھاتی قفس میں داغ سے ہو کیوں نہ رشکِ باغ
جوشِ بہار تھا کہ ہم آئے اسیر ہو

مجھ کو نہ دے ہمصفیر مژدۂ فصلِ بہار
آہ کہ صیاد کے دل پہ نہیں اختیار
یاد ہیں وہ دن کہ جب باغ میں تھا آشیاں
آہ وہ طرفِ چمن اور وہ سرِ شاخسار
نور کا تڑکا ہوا، اور یہ عالم ہوا
آئی نسیمِ سحر باغ میں مستانہ وار

جلد۴

یوں دہنِ غنچہ سے ، قطرۂ شبنم گرے — دودھ اُگلنے لگے جیسے کوئی شیر خوار
آئی کسی شاخ سے، ایسی سُریلی صدا — جیسے بجائے کہیں بین کوئی بین کار
بھیرویں اڑنے لگی، باغ میں چاروں طرف — تانیں اُڑانے لگی اونچے سُروں میں ہزار
مرغِ چمن مل کے سب نغمہ سرا جس طرح — کوک دے ارگن کوئی اور الاپے بہار
تجھ سے کہاں تک کہوں قصۂ دورِ دراز — ہم ابھی حیرت میں تھے اتنے میں اک دام دار
لے کے کوئی دامِ سخت آگیا گلزار میں — ہم جو ہیں اڑنے لگے ہو گئے اس کے شکار
آہ وہ آزادیاں راس نہ آئیں ہمیں — عہدِ مسرت مگر ہم سے نہ تھا استوار
اس کو ہوئیں مدتیں ہم ہیں اسیرِ قفس — اب ہیں نہ وہ چہچہے اور نہ وہ باغ و بہار
سامنے ہے یہ قفس اور یہی تیلیاں — ہے یہی آب و ہوا اور یہی لیل و نہار
قید میں گزری ہے عمر چھوٹنے سے یاس ہے — مرگ کی ہے آرزو موت کا ہے انتظار
آہ کہ طبعِ چمن ہم سے موافق نہ تھی — آہ مزاجِ بہار ہم سے نہ تھا سازوار

حالتِ مرغِ اسیر تجھ سے کہوں کیا جگر
دیدۂ عبرت سے ہوں اشک رواں بار بار

رسوا

۹۸- بلبل کی فریاد

صیّاد نے چھڑایا جس دن سے آشیانہ — پہلو میں دل کے بدلے غم نے کیا ٹھکانا
گلزار سے نکالا قیدِ قفس میں ڈالا — بیدرد کچھ نہ سمجھا ظالم نے کچھ نہ جانا
آزاد تھا کبھی میں دلشاد تھا کبھی میں — تھے وہ بھی دن الٰہی تھا وہ بھی اِک زمانا
روتا ہوں خوں کے آنسو آتا ہے یاد جس دم — غنچوں کا مُسکرانا پھولوں کا کِھل کِھلانا
مِوجِ صبا کا چلنا تھم تھم روش روش پر — شاخوں کا جھوم جانا سبزے کا لہلہانا
وہ جانفزا ہوائیں وہ دلکشا گھٹائیں — مرغانِ ہمنوا کا ساون کے گیت گانا
بارش کی وہ پھواریں برسات کی بہاریں — پتلی سی ٹہنیوں پر وہ جھولنا جھولانا
صحنِ چمن میں پھرنا وہ شب کو چاندنی میں — دل میں سرور آنا آنکھوں میں نور آنا
وہ شام کے نظارے جگنو وہ پیارے پیارے — وہ صبح کے ستارے اُن کا وہ جھلملانا

اِس قیدِ بیکسی کا کب تھا خیال مجھکو
ملجائیں کاش واپس وہ ماہ و سال مجھکو

بے رحم کے ستم کی کڑیاں اُٹھا رہا ہوں — بیداد سہ رہا ہوں دکھ درد پا رہا ہوں
مجھ بے زباں کی بولی کوئی نہیں سمجھتا — ہر چند چیخ کر میں دُکھڑا سُنا رہا ہوں

قسمت کو رو رہا ہوں میں، اور یہ ستمگر
دل میں سمجھ رہا ہے خوش ہو کے گا رہا ہوں
جلد۴ اِک آگ سی لگی ہے یادِ وطن کی دل میں
رو رو کے آنسوؤں سے اس کو بجھا رہا ہوں

سب ہمصفیر میرے خوشیاں منا رہی ہیں
تن تن کے اُڑ رہی ہیں اُڑ اُڑ کے گا رہی ہیں

اے کاش جا کے بیٹھوں پھر کنجِ دلنشیں میں
گاتا پھروں ترانے گلشن کی سرزمیں میں
سوزِ نہاں بجھاؤں جوئے چمن پہ جا کر
پھر جا ملوں میں اپنے یارانِ دانہ چیں میں
یہ تیلیاں قفس کی اے کاش پھونک ڈالوں
اتنا اثر تو یارب ہو آہِ آتشیں میں
اجڑا ہوا نشیمن پھر جا بساؤں اپنا
اب کے جو تھا بنایا گلہائے یاسمیں میں

کب ہو مجھے رہائی کب آشیاں میں پہنچوں
اپنے وطن کو جاؤں، اپنے مکاں میں پہنچوں

محی وم

۹۹- ایک پرندے کی فریاد

آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانہ
وہ جھاڑیاں چمن کی وہ میرا آشیانہ
وہ ساتھ سب کے اڑنا وہ سیر آسماں کی
وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا مل کے گانا

پتّوں کا ٹہنیوں پر وہ جھومنا خوشی میں
ٹھنڈی ہوا کے پیچھے وہ تالیاں بجانا
آزادیاں کہاں وہ اب اپنی گھونسلی کی
اپنی خوشی سے جانا اپنی خوشی سے آنا

لگتی ہے چوٹ دل پر آتا ہے یاد جس دم
شبنم کا صبح آکر پھولوں کا مُنہ دُھلانا
وہ پیاری پیاری صورت وہ کامنی سی مورت
آباد جس کے دم سے تھا میرا آشیانا
تڑپا رہی ہے مجھکو رہ رہ کے یاد اسکی
تقدیر میں لکھا تھا پنجرے کا آب و دانا
اِس قید کا الٰہی دُکھڑا کسے سُناؤں
ڈر ہے یہی قفس میں، میں غم سے مر جاؤں

کیا بدنصیب ہوں میں گھر کو ترس رہا ہوں
ساتھی تو ہیں وطن میں، میں قید میں پڑا ہوں
آئی بہار کلیاں پھولوں کی ہنس رہی ہیں
میں اس اندھیرے گھر میں قسمت کو رو رہا ہوں
باغوں میں کُبنے والے خوشیاں منا رہے ہیں
میں دل جلا اکیلا دُکھ میں کراہتا ہوں
آتی نہیں صدائیں اُن کی مرے قفس میں
ہوتی مری رہائی اے کاش میرے بس میں

ارمان ہے یہ جی میں اڑ کر چمن کو جاؤں
ٹہنی پہ گل کے بیٹھوں آزاد ہو کے گاؤں
بیری کی شاخ پر ہو ویسا ہی پھر بسیرا
اس اُجڑے گھونسلے کو پھر جا کے میں بساؤں

جلد۲

چگتا پھروں چمن میں دانے ذرا ذرا سے ساتھی جو ہیں پرانے اُن سے ملوں ملاؤں

پھر دن پھریں ہمارے پھر سیر ہو وطن کی
اڑتے پھریں خوشی سے کھائیں ہوا چمن کی

جب سے چمن چھٹا ہے یہ حال ہو گیا ہے دل غم کو کھا رہا ہے، غم دل کو کھا رہا ہے
گانا اسے سمجھ کر خوش ہوں نہ سننے والے دُکھے ہوئے دلوں کی فریاد یہ صدا ہے
آزاد جس نے رہ کر دن اپنے ہوں گزارے اُس کو بھلا خبر کیا یہ قید کیا بلا ہے

آزاد مجھکو کر دے او قید کرنے والے
میں بے زباں ہوں قیدی تو چھوڑ کر دعا لے

اقبال

۱۰۰- چڑیا کی زاری

اے بد نہاد لڑکے اے نابکار لڑکے یہ کیا کیا خدا کی تجھ پر ہو مار لڑکے
نازل غضب خدا کا تجھ پر اسی گھڑی ہو اور موت لیکے خنجر سر پر ترے کھڑی ہو
ظالم خدا کرے تو بچپن میں جان کھوئے میری طرح سے تیری ماں زار زار روئے
بے رحم کیا بگاڑا ان بے پروں نے تیرا نقصان کیا کیا تھا اِن بے گھروں نے تیرا

اب تک تو تھے انھوں نے سفاک کے سنبھالے
میرے غریب بچے میرے وہ بھولے بھالے
کن کن مصیبتوں سے تھا آشیاں بنایا
لا لا کے تنکا تنکا تھا گھر یہاں بنایا
وہ گھر کہیں پڑا ہے بچے کہیں پڑے ہیں
دور از مکانِ ویراں بیکس یکیں پڑے ہیں
وہ میرا گھر میں آنا۔ اُن کا وہ چہچہانا
اُن کا وہ لاڈ کرنا میرا وہ صدقے جانا
کن کن دکھوں سے ہائے بچوں کو میں نے پالا
پڑنا تھا وائے قسمت اس پُرجفا سے پالا
مٹی پہ ہائے ہائے بیجاں پڑے ہوئے ہیں
کِس نیند میں یہ میرے ناداں پڑے ہوئے ہیں
افسوس نسل انساں تجھ میں وفا نہیں ہے
کہتے ہیں اُنس جس کو تجھ میں ذرا نہیں ہے
تیغِ جفا سدا ہے تیری میاں سے باہر
جور و جفا ہیں تیرے حدِّ بیاں سے باہر
ہمسائگی میں تیرے آ کر مکیں ہوئے تھے
لچھن ترے مگر ہم کچھ جانتے نہیں تھے
سختی تری ستمگر کتنی ہے بیکسوں پر
یہ جبر بے تحاشا یہ جور بے بسوں پر
غدّار بے وفائی تیری سرشت میں ہے
تیرا یہی وتیرہ دنیائے زشت میں ہے
نزدیک نسلِ انساں ہرگز کوئی نہ آئے
اپنے جگر پہ زخمِ تیغِ ستم نہ کھائے
اِس میل جول کا گر انجام جانتی ہیں
کمبخت دل کا کہنا ہرگز نہ مانتی ہیں

جلد۱۲

جنگل میں جاکے اپنا میں آشیاں بناتی   خطرے میں اپنی جاں کو ہرگز نہ ڈالتی میں
میں اُن کو لاکھلاتی جنگل سے جاکے دانے
جب تک نہیں ہوئے تھے کمسن مرے سیانے
مجھ پر ستم ہوا ہے اے جسم و جاں کے مالک   اے دادگر زمیں کے اے آسماں کے مالک
میں بے زباں ہوں کرتی فریاد تیرے آگے   کہتی ہوں اپنے غم کی روداد تیرے آگے
اب کس طرف کو جاؤں میں بے زبان چڑیا
میں غم کی ماری چڑیا۔ میں خستہ جان چڑیا

محروم

۱۰۱۔ ماتمِ بلبل

"یہ بلبل کا غم ہے نہ مضموں خیالی"

ذرا دیکھ اپنے چمن کو تو مالی   نظر آرہا ہے یہ کچھ خالی خالی
نہ پھولوں کا ہنسنا نہ بلبل کا رونا   نہ رنگیں جمالی نہ شیریں مقالی
پڑی مردہ کنجِ قفس میں ہے بلبل   وہ ہر دل کی پیاری وہ نازوں کی پالی
نشان ضرب کے ہیں تنِ نازنیں پر   یہ گلچیں نے جان اس کی کیوں بے خطا لی

یقیناً جب اُس نے گلِ تر کو توڑا — تو شیون سے اُس نے اک آندھی اُٹھالی
یہی ہاں یہی ننھی منّی سی چڑیا — کہ کل جس نے یوں راہِ ملکِ بقا لی
نظر اُس پہ رکھتی تھی جس کے مکاں تک — گیا ہے نہ جائے گا پیکِ خیالی
زمانہ میں تھا شور اُس کی فغاں کا — ثنا گر تھے اُس کے ادانی اعالی

طیورِ چمن مرتے تھے اس کی نے پر
غرض جانِ گلزار تھی مرنے والی

بُرے وقت میں کوئی آڑے نہ آیا — کہاں تھے یہ گل کے اہالی موالی
یہ سوسن نے گونگے کا کھایا تھا کیوں گڑ — نہ کچھ بات اُس نے زباں سے نکالی
یہ کہتی کہ ظالم ذرا ڈر خدا سے — یہ تھی بات سیدھی نہ طعنہ نہ گالی
رہیں مہر بر لب کچھ منہ سے پھوٹیں — اب ایسی بھی کلیاں تھیں ننی بالی
نہ سمجھو کہ ہے بیخبر اس ستم سے — خداوند قدوس کی ذاتِ عالی
ستم کا عوض لے گا اور جلد لے گا — وہ بیکس کا وارث وہ بیکس کا والی
مگر شانِ قہرِ خداوند کے ہیں — کرشمے انوکھے ادائیں نرالی
شکنجہ میں کستا ہے وہ ڈھیل دیکر — کہ ہے بے پنہ اُس کی شانِ جلالی
بہت جلد خوں رنگ لائیگا اس کا — نہ فریادِ بلبل کی جائے گی خالی

جلد۱۲

پڑیں گے اُسے اپنے جینے کے لالے
چھپے گی نہ گلچیں کے دامن کی لالی

ایک مسلمان خاتون از علی گڑھ

۱۰۲- دورِ بہار

پھول کھلنے سے ہوا سارا چمن رشکِ جناں
بلبلوں کا اس لئے انداز کچھ مستانہ تھا

اپنی خوبی پر تھا اترایا ہر ایک غنچہ دہاں
قمریوں کا سرو سے برتاؤ بے باکانہ تھا

جھولتے گلہائے تر زرِ لفت کے جھولوں میں تھے
جبکہ خود گلچیں بھی اُن کے حُسن کا دیوانہ تھا

بے خطر پھرتا تھا ہر اک طائرِ شیریں زباں
اور یگانہ ہو گیا جو سبزہ بیگانہ تھا

چہچہانے کی صدائیں آ رہی تھیں کان میں
اِس سے بڑھ کر کیا کہوں وہ اِک عجائب خانہ تھا۔

یک بیک جھونکا ہوائے تند کا آیا وہاں
کچھ نہ تھا گویا کہ مدت کا وہ اِک ویرانہ تھا

آشیانِ بلبلِ بیکس جو یوں درہم ہوا
زاغ کا اور بوم کا اب خاص خلوت خانہ تھا

دیکھ کر یہ حالِ دل منظورؔ یوں گویا ہوا
جو کہ دیکھا خواب تھا اور جو سُنا افسانہ تھا

منظور

۱۰۳- ختمِ بہار

ختم کیا صبا نے رقص، گُل پہ نثار ہو چکی
جوشِ نشاط ہو چکا، صوتِ ہزار ہو چکی

رنگِ بنفشہ مِٹ گیا، سنبلِ تر نہیں رہا
صحنِ چمن میں زینتِ نقش و نگار ہو چکی

مستئ لالہ اب کہاں، اس کا پیالہ اب کہاں
دورِ طرب گزر گیا آمدِ یار ہو چکی

رُت وہ جو تھی بدل گئی آئی بس اور نکل گئی
تھی جو ہوا میں نکہتِ مشکِ تتار، ہو چکی

اب تک اُسی روش پہ ہے اکبرؔ مستِ بے خبر
کہدے کوئی "عزیزِ من فصلِ بہار ہو چکی"

اکبر

۱۰۴۔ سیلِ زمانہ

مگر اے سیلِ حادثہ خدارا صبر کر ذرا
یہ دیکھ سامنے ہے کیا جزیرہ ایک خوش نما
ہری بھری یہ ڈالیاں لالہ و گل کی لالیاں
یہ نہریں اور نالیاں یہ لطفِ زندگی ہیں کیا
وہ دیکھ چند مہ جبیں حسین اور نازنیں
لئے ستار اور بین بُلا رہے ہیں مجھ کو آ
زمیں یہ دیکھ لینے دے یہ گانے سُن تو لینے دے
ذرا سا دم تو لینے دے
مگر سُنے تری بلا

یہ سامنے ہیں جو عیاں — مٹے ہوؤں کے ہیں نشاں
یہ دارا یہ نوشیرواں — ہیں یہ سب کے سب فنا
وہ رومیوں کی عز و شاں — وہ جامِ جم کی داستاں
حجازیوں کے وہ نشاں — وہ ہند و چیں کی خوبیاں
وہ پہلوانِ نامور — وہ خسروانِ تاجور
وہ اہلِ علم باہنر — وہ دینِ حق کے راہبر
گئے یہ سب کے سب گزر
مگر رہی تجھے بقا
بہائے جا اڑائے جا — ڈوبائے جا مٹائے جا
قسم ہے تجھکو اپنی ہی — یہی روش نبھائے جا

ناشاد

۱۰۵- سحرِ موسیقی

یہ چھاؤں تاروں کی کم کم یہ نور کا تڑکا — گلوں پہ شبنمِ تر کے یہ گوہرِ شہوار
یہ جوشِ لالۂ صحرا یہ سبزۂ کہسار — یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا یہ نسیمِ عنبر بار

جلد۲ یہ شاخ شاخ پہ اندازِ زمزمہ خوانی — یہ طائرانِ ترنم سرائے فصلِ بہار
فضائے عرش میں نغمہ طرازی کی قدرت — ہوا کے پردوں میں بانگِ سرودِ موسیقار
یہ دلفریبیٔ دریا کا دل رُبا منظر — دمِ خرام یہ موجوں کی شوخیٔ رفتار

روان ہے ہلکی سی اِک سطحِ آب پر کشتی
اور اُس میں ایک حسینہ بجا رہی ہے ستار

جبیں ہے چاند سی زلفِ سیاہ بھونرا سی — کنول سے پائے نگاریں ہیں پھول سے رخسار
لباسِ حسن ہے تصویرِ پاک دامانی — ہے ساری ہلکی سی ریشم کی ایک زیبِ کنار
غرض کہ حسن کی ہے سر سے پاؤں تک مورت — نظر فریب ادا۔ دلفریب نقش و نگار

سہیلی سامنے بیٹھی ہے اک سمن اندام
کہ جس کے باغِ جوانی میں ہے شروعِ بہار

عجیب دُھن سے ہے چھیڑا ترانۂ شیریں — کہ جھومتے لبِ ساحل ہیں وجد میں اشجار
فسونِ نغمہ میں دل کش سکون کچھ ایسا ہے — ٹھہر ٹھہر کے ہے چلتی صبا دمِ رفتار
گدازِ شوق کا عالم ہے قلبِ دریا میں — ہر ایک موج میں ہے اضطرابِ نبضِ شرار
قریب ہو کے گزرتی ہے جوشِ مستی میں — عجیب لغزشِ مستانہ سے نسیمِ بہار
نہیں ہے اب لبِ قمری پہ نالۂ کوکو — شرابِ ذوقِ ترنم سے ایسی ہے سرشار

صدائے نغمہ نے افسوں کچھ ایسا پھونکا ہے   کہ ہیں سکوت میں مرغانِ شکّریں منقار
غرض کہ طرفہ ہے جادو فسونِ موسیقی
بشر تو کیا کہ بہائم کو کرتا ہے یہ شکار

شاکر

۱۰۶۔ بانسری

لعلِ معجز نما سے بنسی   لے لو وہ شیام نے لگادی
پیدا ہوا اک نفس سے اعجاز   اب اس سے زیادہ کون ساساز
ہر ایک ترانہ دل رُبا ہے   جنگل نغموں سے گونج اٹھا ہے
عالم طاری ہے بیخودی کا   نغمہ سازی ہے بانسری کا
طائرا شجار پر ہیں خاموش   محو لذّاتِ جنتِ گوش
مُرغ تصویر ہر پرندہ   پا بہ زنجیر ہر چرندہ
سکتے میں کھڑی ہوئی ہیں آہو   گویا کوئی کر گیا ہے جادو
دُم ناچنے میں ہوئی چنور ہے   پر لانے سے مور بے خبر ہے
اِک جذبۂ بیخودی میں آکے   لہراتے ہیں سانپ پھن اُٹھا کے

جلد۲

جنگل کی ہر ایک بھینس گائے سکتہ میں ہے اپنا منہ اٹھائے

جب وحشیوں کا ہوا ہے یہ طور

حالت انساں کی کیوں نہ ہو اور

گاؤں سارا گوالیوں کا ہے محوِ سکوت اب کچھ ایسا

گویا آبادی نہیں ہے خالی انسان سے زمیں ہے

بیکار ہیں جو ابھی تھے مشغول کس شغل میں تھے گئے یہ سب بھول

کھیتوں میں جو ہل چلا رہے تھے اور ساتھ ہی گنگنا رہے تھے

چپ چاپ وہ اب کھڑے ہوئے ہیں گویا کہ وہیں گڑے ہوئے ہیں

بچے گلیوں میں گھر کے اندر ہیں ناچتے بانسری کی لَے پر

سب عورتیں مائیں بیویاں سب خاموش ہیں تھیں جہاں جہاں سب

ڈالا ہے وہ زیر و بم نے پھندا چھوڑے بیٹھی ہیں گھر کا دھندا

جو بن جن پر شباب کا ہے یہ نغمہ انھیں تو فتنہ زا ہے

دل کو ہے یہ بے قرار کرتا آنکھوں کو ہے اشکبار کرتا

تھامے ہوئے ہیں جگر کو دل کو سنتی ہیں نوائے متصل کو

جو واقف رازِ معرفت ہیں ق شنوندہ سازِ معرفت ہیں

یہ ہنسی اُنھیں بھی ہے رُلاتی
پیغام ہے دوست کا سُناتی

محاوم

۱۰۷۔ گلزارِ داغ

جہاں تیرے جلوہ سے معمور نکلا   پڑی آنکھ جس کو وہ پرطور نکلا
یہ سمجھے تھے ہم ایک پتھر کا ہے دل پر   دبا کر جو دیکھا تو ناسور نکلا
نہ نکلا کوئی بات کا اپنی پورا   مگر ایک نکلا تو منصور نکلا
وجود و عدم دونوں گھر پاس نکلے   نہ یہ دور نکلا نہ وہ دور نکلا
سمجھتے تھے ہم داغ گم نام ہوگا
مگر وہ تو عالم میں مشہور نکلا

حضرتِ دل آپ ہیں جس دھیان میں   مر گئے لاکھوں اسی ارمان میں
گر فرشتہ وش ہوا کوئی تو کیا   آدمیت چاہیئے انسان میں
جس نے دل کھویا اُسی کو کچھ ملا   فائدہ دیکھا اِسی نقصان میں
کس نے ملنے کا کیا وعدہ کہ داغ
آج ہو تم اور ہی سامان میں

جلد۲

نہیں ہوتی بندہ سے طاعت زیادہ — بس اب خانہ آباد دولت زیادہ
وہ تشریف لاتے ہی بولے کہ رخصت — نہیں ہم کو ملنے کی فرصت زیادہ
الٰہی زمانہ کو کیا ہو گیا ہے — محبت تو کم ہے عداوت زیادہ
عدم سے سب آتے ہیں یاں چار دن کو — نہیں ہوتی منظور رخصت زیادہ

مری بندگی سے مرے جرم افزوں
ترے قہر سے تیری رحمت زیادہ

دل کی کلی نہ تجھ سے کبھی اے صبا کھلی — چمپا کھلی گلاب کھلا موتیا کھلی
ہم تو اسیرِ دام ہیں صیّاد ہم کو کیا — گلشن میں گر بہار بہت خوشنما کھلی
نالوں سے شق ہوا نہ جگر پاسبان کا — دیوارِ قید خانہ مگر بارہا کھلی

داغ شگفتہ دل کا ذرا دیکھنا اثر
مانندِ غنچہ قبر بھی بعد فنا کھلی

طبیعت کوئی دن میں بھر جائیگی — چڑھی ہے یہ آندھی اُتر جائیگی
رہیں گی دمِ مرگ تک خواہشیں — یہ نیت کوئی آج بھر جائیگی
نہ تھی یہ خبر ہم کو اپنی بہار — اِدھر آئیگی اور اُدھر جائیگی
نہ چھوڑے گی دامن کبھی مشتِ خاک — صبا ہم سے اڑ کر کدھر جائیگی

دیا دل تو اسے داغ اندیشہ کیا
گزرنی جو ہو گی گزر جائے گی — داغ

جذباتِ فطرت

جلد چہارم

ضمیمہ

شعرا اور ان کا کلام

استدعا۔ ذیل میں شعرا کے متعلق جو جو حالات دریافت طلب ہیں اگر کوئی صاحب اُن سے مطلع فرمائیں گے تو باعثِ شکرگزاری ہو گا۔

---

۱ - آزاد مولوی محمد حسین صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۳۱ء وطن دلی وفات ۱۹۱۰ء مدفن لاہور

۱۵-حسرت:- مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی
صدر یار جنگ بہادر
وطن حبیب گنج ضلع علی گڑھ

۱۶- حفیظ:-

وطن جونپور-

۱۷-چکبست:- منشی برج نرائن صاحب
ولادت ۱۸۸۲ء وطن لکھنؤ

۱۸-خاتون:- مرحومہ صاحبزادی نواب مزمل اللہ خاں
بہادر رئیس علی گڑھ
وطن بھیکم پور ضلع علی گڑھ وفات ۱۹۳۰ء

ضمیمہ
جلد ۲

- - - - - - - - -

صفحہ

صفحہ

۳۸۔ کیفی ؛۔

۳۹۔ محروم ؛۔ منشی تلوک چند صاحب

ولادت ۱۸۸۵ء وطن عیسیٰ خیل (پنجاب)

- - - - - - - - - - - -

۵۴۔ هادی:۔ سیّد محمدؐ ہادی صاحب
ولادت ۱۸۸۵ء وطن مچھلی شہر

۵۵۔ ؟

فہرست

پروفیسر الیاس برنی

کے

تالیفات و تراجم

پروفیسر الیاس برنی کے تالیفات و تراجم

(۱) سلسلۂ دعوتِ صدق

(۱) اسرارِ حق - آیات قرآنیہ - احادیث نبویہ - ارشادات صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ان سب کا نہایت جامع اور مربوط انتخاب۔ اور اُن کے مقابل یورپ کے جدید سائنس اور فلسفہ کی انتہائی تحقیقات کا لب لباب بخود بخود اسلام کی صداقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔

جدید سائنس و فلسفہ کا اقرار نارسائی اور احساس ایمان بالغیب اسلام میں علم باطن توحید اور اس کے مقامات - احدیت کی رفعت اور عبدیت کی نزاکت - نبوت اور ولایت کے مراتب - کشف و کرامات کی ماہیت اور دیگر معارف متعلقہ - ایک نظر میں اسلام کی روحانی تعلیم کا عجب نظام دل نشیں ہو جاتا ہے - اور کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ لَھُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ

عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (پ ۲۴)

جن علوم کو اللہ جل شانہٗ صدق اور جن عالموں کو صادقین وصدیقین سے تعبیر فرماتا ہے اور جو اسلامی ادب میں بالعموم تصوف اور صوفی کہلاتے ہیں، اس کی تحقیق اور تصدیق میں بعض لحاظ سے یہ اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے جو قابل دید ہے۔ حجم تقریباً ۵۰۰ صفحہ مجلد قیمت صرف مبلغ ہے، (پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔ دوسرا ایڈیشن بعد نظر ثانی و اضافہ مضامین عنقریب طبع ہو کر شائع ہوگا۔ انشاءاللہ)

(۲) قسکات الصلوٰت ۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۔ حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں علمائے عظام اور اولیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جو صلوٰۃ وسلام عرض کئے ہیں۔ وہ اسلامی معارف اور عربی ادب کا بہترین سرمایہ ہیں۔ گویا وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کی الہامی تفاسیر ہیں۔ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کی معنوی تصاویر ہیں۔ ان کے مطالعے سے حضور رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی عظمت اور محبت دل میں پیدا ہوتی ہے۔ ان کے ورد سے ماشاءاللہ نسبت محمدی کا فیضان جاری ہوتا ہے اور دین و دنیا کی نعمتوں کا دروازہ کھلتا ہے۔

یہ بے بہا ذخیرہ بعض قدیم مجموعات مثلاً دلائل شریف وغیرہ میں فراہم کیا گیا۔

تاہم اس کا بہت سا حصہ متفرق رہ گیا۔ بفضل الٰہی ایک جدید مجموعہ تیار ہوا ہے جس میں اکابر دین کے اکثر درود شریف بڑی تجسس و تحقیق سے بترتیب خاص جمع کئے ہیں۔ غالباً اب تک صلوٰۃ و سلام کا کوئی مجموعہ اس قدر وسیع اور محیط شائع نہیں ہوا۔ فدائیان رسولؐ کے واسطے بڑی نعمت ہے۔ طباعت بھی انشاء اللہ بہت پاکیزہ اور دیدہ زیب ہوگی۔ اہتمام درپیش ہے۔ اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ۔

(۴۷) **ہدایت الاسلام** ۔ تمدنِ حاضرہ کی بدولت جوں جوں معاشی اور سیاسی مصروفیت بڑھ رہی ہے۔ دین کی ضروری ضروری معلومات حاصل کرنے کا موقعہ بھی بمشکل نصیب ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ عام طور پر جدید تعلیم یافتہ حضرات شعائر اسلام سے اس درجہ ناواقف ہیں کہ کسی عبادت یا مذہبی تقریب میں کبھی شرکت کا موقع آتا ہے تو ظاہری تقلید بھی اُن کے واسطے دشوار ہو جاتی ہے لامحالہ دل میں ندامت ہوتی ہے۔ جگ ہنسائی ہوتی ہے۔

اسی تعلیم یافتہ طبقہ کی خاطر ایک مختصر اور مستند مجموعہ ترتیب دیا ہے اس میں اسلامی عبادات و تقریبات کے تمام ضروریات ادعیہ وغیرہ جن سے روزمرہ سابقہ پڑتا ہے یا پڑ سکتا ہے۔ بترتیب خاص جمع ہیں۔ عربی متن کے

ساتھ اردو ترجمہ بھی درج ہے - اس کے مطالعہ کے بعد اسلامی عبادات اور اسلامی اخلاق و آداب سے بخوبی واقفیت ہو جاتی ہے۔ کسی موقع پر حیرانی و پریشانی کا احتمال باقی نہیں رہتا - جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کو اس مجموعہ کی بالخصوص ضرورت ہے - چھوٹی تقطیع طباعت پاکیزہ (زیر طبع)

(۴) **فتوح الحکم** - یہ ایک جدید تالیف ہے۔ قطب الربانی غوث الصمدانی محبوب سبحانی حضرت غوث اعظم محی الدین جیلانی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے بہت سے ارشادات فتوح الغیب میں اور خطبات فتح الربانی میں مرتب اور محفوظ ہیں - لیکن ان کے علاوہ بھی حضرت کے ارشادات، خطبات اور قصائد کا بہت سا بے بہا ذخیرہ مختلف کتب میں منتشر ہے - بفضلہ بعض قدیم قلمی نسخوں کا بھی پتہ لگا ہے جو اب تک طباعت و اشاعت سے مستغنی رہے ہیں - اِنْشَاءَ اللّٰہِ الْعَزِیْز یہ تمام نعمائے دینیہ خاص اہتمام سے مومنین کے واسطے عنقریب مہیا ہو جائیں گے۔ تالیف کا سلسلہ جاری ہے اس کے بعد طباعت و اشاعت ہے - اِنْشَاءَ اللّٰہ - وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہ

(۵) **فتوحات قادریہ** - حضرت غوث الاعظم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے تمام اذکار و اوراد، ادعیہ اور وظائف خاص تحقیق سے فراہم کئے ہیں۔ سلوک قادریہ کا اصلی مرقع ہے - طالبین کے واسطے بڑی نعمت ہے۔ یہ مجموعہ خاص اہتمام سے

طبع ہو کر جلد شائع ہوگا۔ اِنشاءَاللہ

(۶) **مکاتیب المعارف** ۔ مرشدی و مولائی حضرت مولانا شاہ محمد حسین صاحب قبلہ چشتی القادری مدظلہ العالی کے مکتوبات شریف کا مجموعہ۔ حقائق قرآنی اور تعلیم ربانی کا عجیب مرقع پیش نظر ہو جاتا ہے۔ ایمان و اعتصام کی عظمت دل میں بیٹھتی ہے۔ اہل ایمان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ عجیب فیوض و برکات ہیں ماشاءاللہ ترتیب ہو رہی ہے عنقریب اشاعت ہوگی۔ انشاءاللہ حجم تخمیناً ۰۰ہ صفحہ

(۷) **صراط الحمید یعنی سفر نامۂ مقامات مقدسہ** ۔ عراق شام فلسطین و حجاز۔ ان چاروں اسلامی ممالک کے گوناگوں چشم دید حالات۔ نہایت دلچسپ و مفید معلومات۔ سیر و سفر کے مفصل ہدایات۔ راہ و منازل کے مکمل نقشہ جات غرض کہ سیاحت کے تمام ضروریات بالتفصیل مذکور ہیں۔

اکثر مقدس مقامات مثلاً بغداد شریف۔ کربلائے معلیٰ۔ نجف، اشرف کاظمین شریفین، سامرہ شریف۔ دمشق۔ بیت المقدس بیت اللحم۔ خلیل الرحمٰن ان سب کے متبرک زیارات و روایات۔ اولیائے کرام کے علمی فتوحات تالیف و تصنیفات۔ سب کچھ بالتفصیل موجود ہے۔

سب سے بڑھ کر مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے تفصیلی مشاہدات اسلامی

احساسات۔ بارگاہ اقدس کے انوار و برکات۔ فیوض و انعامات بیت اللہ شریف کی دینی تحقیقات فریضۂ حج کے تمام تفصیلات۔ یعنی احکام و مسائل۔ طور طریق ادعیہ و صلوات بہ ترتیب و تفہیم خاص کہ پھر کچھ دریافت کرنے کی ضرورت نہ رہے اور حج تمام و کمال بحسن و خوبی ادا ہو جائے بفضل اللہ تعالیٰ۔

سفرنامہ میں جابجا قرآنی معارف اور ایمانی نکات۔ وہبی واردات، روابط قلبی کے نازک اشارات۔ عبارت کی لطافت گویا آب حیات کہ پڑھ کر ایمان تازہ ہوتا ہے دل کو عقیدت و محبت کا مزہ ملتا ہے۔ مزید برآں خاص خاص زیارات کی ایک درجن قابل دید عکسی تصویرات کہ شنید میں دید کا لطف آجائے۔ گویا آنکھوں میں نقشہ پھر جائے۔ ضمنی طور پر بمبئی۔ کراچی بصرہ حلب حمص حماہ بیروت حیفہ قنطرہ سویز۔ ینبوع۔ جدہ اور کامران۔ ان مقامات کا بھی ضروری حال درج ہے۔ اور مسافروں کو جہاں جو جو صورتیں پیش آتی ہیں وہ بھی واضح کر دی ہیں کہ وقت پر حیرانی و پریشانی نہ ہو۔ ناواقفیت سے کچھ زیربار ی نہ ہو۔ خلاصہ یہ کہ عامۃ المومنین اور بالخصوص حجاج و زائرین کے واسطے یہ سفرنامہ واقعی بڑی نعمت ہے گھر بیٹھے زیارات کا لطف آتا ہے۔ سفر میں نہایت ہمدرد رفیق اور واقف کار معلم کا کام دیتا ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے پھر کسی کی محتاجی نہیں رہتی ان خوبیوں کی بدولت شائع ہوتے ہی ہاتھوں ہاتھ جارہا ہے۔ طباعت پاکیزہ حجم ۲۵۰ صفحہ قیمت صرف ۲ ۸/

(۲) سلسلۂ منتخبات نظمِ اردو

مروجہ غزلیات کی کثرت سے عموماً یہ خیال پھیل گیا ہے کہ اردو شاعری کی ساری کائنات محض حسن و عشق اور گل و بلبل کی پارینہ داستان ہے۔ مگر تحقیق سے ثابت ہوا کہ اردو میں بھی ہر رنگ کی بہتر سے بہتر نظمیں موجود ہیں۔ البتہ وہ اب تک منتشر اور غیر معروف رہیں۔ چنانچہ موجودہ انتخاب سے اس کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ اردو کے تقریباً دو سو قدیم و جدید نامور شعرا کا بہترین کلام نہایت عجیب و غریب ترتیب کے ساتھ بارہ مستقل جلدوں میں پیش کیا گیا ہے۔ جس کو دیکھ کر اردو شاعری کی وسعت و رفعت پر حیرت اور مسرت ہوتی ہے۔ دوسری زبانوں میں اس سلسلے کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ دیباچہ اردو کا عجیب دل فریب اور نادر تحفہ ہے۔ جس کی بڑے بڑے ادیب اور نقاد سخن داد بلکہ مبارک باد دے رہے ہیں۔ اردو خواں حلقوں میں اس سلسلے کی خاصی دھوم مچ گئی ہے اور اس کی مقبولیت روزافزوں ہے۔ الحمدللہ

یہ سلسلہ یوں تو سنہ ۱۹۱۹ء سے بتدریج شائع ہو ہو کر ہاتھوں ہاتھوں چلتا رہا لیکن سنہ ۱۹۲۴ء میں اس کی بارہ جلدیں اضافۂ مضامین اور جدید ترتیب کے ساتھ ازسرِنو شائع کی گئیں اور یہ ان کی مستقل شکل قرار پائی تفصیل ملاحظہ ہو۔

پہلا سٹ

معارفِ ملّت

جلد اوّل ۔ متعلق دینیات یعنی حمد نعت، مناجات اور معرفت کی نظمیں جن میں دین وایمان کی خوشبو مہکتی ہو۔ صاحب دلوں اور عاشقانِ رسول کے واسطے بڑی نعمت ہو۔

جلد دوم ۔ متعلق اسلامیات یعنی اسلام اور مسلمانوں کے ماضی۔ حال اور مستقبل کی تفسیریں اور تصویریں، جو قلب کو گرماتی اور روح کو تڑپاتی ہیں خاص کر واقعۂ کربلا کے ۱۵ جگر دوز نشتر لذتِ شہادت تازہ کر دیتے ہیں۔ اسلامی مدارس کے واسطے بہت موزوں ہو۔

جلد سوم ۔ متعلق قومیات یعنی ہندوستان کی متحدہ قومیت کے متعلق دردمند اور وطن پرست شاعروں کا دل پذیر کلام جو عبرت سکھاتا اور غیرت دلاتا ہو اس جلد میں چند قدیم شہر آشوب بھی قابلِ دید ہیں۔ قومی مدارس کے واسطے بہت موزوں ہو۔

جلد چہارم ۔ متعلق اخلاقیات یعنی اُردو شاعری میں اخلاق و حکمت کے جو انمول موتی جواہر بکھرے پڑے تھے اور جو بہترین قومی سرمایہ ہیں فراہم

کر دئیے گئے ہیں - یہ جلد لڑکوں اور نوجوانوں کے واسطے قابلِ قدر تحفہ ہے - تمام مدارس کے واسطے یکساں مفید ہے -

دوسرا سٹ

جذباتِ فطرت

جلد اوّل - اُردو شاعری کے قافلہ سالار یعنی میر تقی میر اور مرزا رفیع سودا کے کلام کا مربوط اور جامع انتخاب - یہ کتاب کالج کی اعلیٰ جماعتوں میں درس کے قابل ہے -

جلد دوم - اُردو کے سرمایۂ ناز شاعر مرزا غالب اور اُس کے خاص ہم عصر یا خاص ہم رنگ شعرا ذوق - ظفر اور حسرت موہانی کے کلام کا انتخاب - یہ کتاب بھی اعلیٰ جماعتوں کے درس کے قابل ہے -

جلد سوم - تقریباً تیس قدیم، مستند اور باکمال شعرا کے کلام کا اعلیٰ انتخاب جو اپنی قدامت اور جامعیت کے لحاظ سے قابلِ دید ہے -

جلد چہارم - تقریباً ساٹھ جدید مشہور و مقبول شعرا کے کلام کا دل کش انتخاب - شاعری کے جدید دور کا اس سے خوب اندازہ ہو سکتا ہے -

تیسرا سٹ

مناظرِ قدرت

جلد اوّل - متعلق اوقات - یعنی صبح، شام، دن، رات، دھوپ، چاندنی، موسمِ گرما، سرما، برسات اور بہار کے دل کش مناظر نظموں میں اس خوبی سے عکس فگن ہیں کہ اُن کو دیکھ کر طبیعت وجد کرنے لگتی ہے۔ نیچر پرستوں کے لئے یہ جلد قدرت کی دل فریبیوں کا بہترین مرقع ہے۔

جلد دوم - متعلق مقامات یعنی آسمان، زمین، پہاڑ، جنگل، میدان، دریا، کھیت باغات، شہر اور عمارات۔ شاعروں نے ان سب کی ایسی صاف ستھری تصویریں کھینچی ہیں کہ نظمیں پڑھتے وقت گویا ہم آنکھوں سے اُن کی سیر کر رہے ہیں۔

جلد سوم - متعلق نباتات و حیوانات یعنی پھول پھل، کیڑے، پتنگے، تتلیاں، چڑیاں، پرندے، چرندے، چوپائے اور متفرق جانور وغیرہ۔ ان سب کے حالات پڑھنے سے اندازہ ہو سکے گا کہ اردو شاعروں نے اشیاء قدرت کا کس حد تک مطالعہ کیا ہے۔ اور مشاہدات میں کہاں تک

جان ڈالی ہے۔

جلد چہارم متعلق عمرانیات یعنی ہندوستان کے تمدن، رسم و رواج، عید تیوہار غمی شادی، میلے ٹھیلے، صحبتیں جلسے، کھیل تماشے، وضع لباس صورت شکل، ہنسی مذاق، بزم اور رزم۔ سب طرح کے حالات پیش نظر ہوکر دل کو بےچین کر دیتے ہیں۔ مناظر قدرت کی چاروں جلدیں زنانہ مدارس کے واسطے خاص کر بہت موزوں ہیں۔

غرض کہ شعر و سخن کا عجب دل کش انتخاب ہے۔ شریف اور مہذب گھرانوں میں لڑکوں لڑکیوں، مردوں بیبیوں اور بڑے بوڑھوں کی خوش وقتی اور تفریح طبع کے لئے اس کے مطالعہ سے بہتر کوئی مشغلہ ملنا مشکل ہے۔ شاید ہی کوئی علم دوست گھر اس سلسلے سے محروم رہنا گوارا کر سکے۔ کل بارہ[۱۲] جلدیں خوش خط خوش قطع، خوش نما مجلد قیمت فی جلد صرف ایک روپیہ۔

(۲) **جواہر سخن** ۔ فارسی شاعری کا بہترین کلام ایک جدید اصول پر زیر ترتیب ہے انشاءاللہ بہت دل کش اور دلپذیر ہوگا۔ عنقریب شائع ہوگا۔

(۳) سلسلۂ معاشیات

(۱) **علم المعیشت** - جدید مغربی علم اکنامکس (Economics) پر اردو میں یہ سب سے پہلی نہایت مستند اور جامع کتاب ہے جس میں مشکل معاشی اصول و مسائل کو ایسے سلیس اور دلچسپ پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ کتاب کے مطالعہ سے نہ صرف نئے نئے مضامین بخوبی ذہن نشین ہوتے ہیں بلکہ خاصی دماغی تفریح حاصل ہوتی ہے۔ خوبیٔ مضامین کی بدولت ہندوستان کے ہر حصہ میں یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہے۔ لطف یہ کہ ہندوستانی یونیورسٹیوں میں اکنامکس کے متعلم بیسیوں ضخیم انگریزی کتابوں کے ہوتے ہوئے اس کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال جو خود بھی معاشیات کے عالم ہیں تحریر فرماتے ہیں کہ "آپ کی کتاب علم المعیشت اردو زبان پر ایک احسانِ عظیم ہے اور مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ اکنامکس پر اردو میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے اور ہر لحاظ سے مکمل"۔ بسلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)، تیسرا اڈیشن بنظر ثانی حال میں شائع ہوا ہے۔ حجم تقریباً ۔۔ ۸ صفحہ قیمت ۵ھ

(۲) **اصول معاشیات** - پہلی کتاب علم المعیشت عام و خاص قارئین

کے واسطے نہایت سہل اور سلیس پیرایہ میں لکھی گئی۔ لیکن خاص طلبہ کے واسطے کسی قدر دقیق اور دشوار مباحث کی ضرورت تھی۔ چنانچہ مضامین میں کافی رد و بدل اور تخفیف و اضافہ کر کے جداگانہ نصابی کتاب تیار کی گئی۔ دارالترجمہ سرکار عالی حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔ خوش نما جلد۔ تقطیع کلاں حجم ۰۰۰ صفحہ۔ قیمت ۱۱/ ۱۲ آر

(۳) **معیشت الہند**۔ ہندوستان کے گوناگوں معاشی حالات جن کا جاننا ملک کی اصلاح و ترقی کے واسطے فی زمانا از حد ضروری ہے۔ کافی تحقیق اور تنقید کے بعد بہت سلیس اور دل چسپ طرز پر علمی پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ علم المعیشت اور اصول معاشیات میں جو نظری مسائل بیان ہوئے ہیں اس کتاب کے ذریعہ سے اُن کا ہندوستان میں عمل درآمد دکھایا گیا ہے۔ خاص کر زر (کرنسی)، بینک اور تجارت خارجہ جیسے اہم مباحث قابل دید ہیں۔ یہ بھی بلا مبالغہ اُردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی جامع اور مستند کتاب ہے۔ مدت سے شائقین کو انتظار تھا الحمد للہ کہ دارالترجمہ سرکار عالی حیدرآباد دکن سے شائع ہو گئی۔ تقطیع کلاں حجم تقریباً ۰۵۰ صفحہ

(۴) **مالیات**۔ پبلک فنانس (Public Finance) پر اردو میں سب سے پہلی جامع اور مستند کتاب ہے۔ مہذب اور ترقی یافتہ سلطنتوں کے

ہاں آمدنی کے کیا کیا ذریعے اور خرچ کی کیا کیا مدیں ہیں اور محاصل اور مخارج کا انتظام کس نہج پر قایم ہے۔ سلطنتوں کی مالی ترقی اور مرفہ الحالی کے کیا اسباب ہیں اور ان کا کیوں کر عمل درآمد ہوتا ہے۔ یہ تمام دقیق اور اہم مباحث نہایت سلیس اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں بیان کئے ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ ہندوستان کے مالی نظام کو بالتفصیل بطور مثال پیش کیا ہے۔ تنقیح اور تنقید کی ہے خاص کر ہندوستان کے قومی رہبروں اور رئیسوں کو اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید بلکہ از حد ضروری ہے (زیر تالیف)

(۵) **مقدمۃ المعاشیات**۔ ہورلینڈ صاحب کی انگریزی کتاب "انٹروڈکشن ٹو اکنامکس" (Introduction to Economics) کا سلیس اور بامحاورہ اردو ترجمہ۔ جس میں معاشیات کے ابتدائی اصول و مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ تقطیع کلاں۔ حجم تقریباً ۳۰۰ صفحہ مجلد۔ دارالترجمہ سرکار عالی حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔

(۶) **معاشیات ہند**۔ مسٹر پرتھ ناتھ بنرجی کی انگریزی کتاب "انڈین اکنامکس" (Indian Economics) کا سلیس اور بامحاورہ اردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر ہندوستان کے معاشی حالات بیان کئے گئے ہیں۔ تقطیع

کلاں حجم تقریباً ۳۰۰ صفحہ مجلد۔ دارالترجمہ سرکار عالی حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی ہی۔

(۷) **برطانوی حکومت ہند** - انڈرسن صاحب کی انگریزی کتاب برٹش اڈمنسٹریشن ان انڈیا (British Administration in India) کا سلیس اور بامحاورہ اردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر حکومت ہند کا نظام و طریق بیان کیا گیا ہی۔ تقطیع کلاں حجم تقریباً ۲۰۰ صفحہ۔ مجلد۔ دارالترجمہ سرکار عالی حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی ہی۔

کتابیں ملنے کے صدر مقام :-

(۱) حاجی محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی۔ علی گڑھ

(۲) شیخ مبارک علی صاحب۔ تاجر کتب - لُہاری دروازہ لاہور

(۳) مکتبہ جامعۂ ملیہ اسلامیہ قرول باغ دہلی

(۴) مکتبۂ ابراہیمیہ۔ اسٹیشن روڈ۔ حیدرآباد۔ (دکن)

PROFESSOR ELYAS BURNY'S
Other Urdu Works.

---

1. **Ilmul-Maeeshat**—On principles of Economics popular editon—about 900 pages.

2. **Usul-e-Maashiyat**—On principles of Economics—Student edition—about 600 pages.

3. **Maeeshat-ul-Hind**—On Indian Economics about 850 pages.

4. **Malyat**—On Public Finance—about 500 pages (under preparation).

5. **Mukaddamat-ul-Maashiyat**—Translation of Moreland's Introdution to Economics.

6. **Hindustani Maashiyat**—Translation of Banerjee's Indian Economics.

7. **Bartanvi Hukoomat-i-Hind**—Translation of Anderson's British Administration in India.

8. **Asrar-e-Haq**—On Spiritualism in Islam—400 pages.

9. **Sirat-ul-Hameed**—Pilgrims' Guide Book in Iraq, Syria, Palestine and Hedjaz, Illustrated— 250 pages.

Forests, Fields and Gardens, Cities and famous Buildings.

Volume III ... Collection of poems describing the objects of Nature, such as Fruits and Flowers, Worms and Insects, Bees and Butterflies, favourite Birds and Quadrupeds.

Volume IV ...Collection of poems describing the various important and interesting phases of Indian life, such as popular Customs and Ceremonies, Functions and Festivals, Games and Sports, Fashions and Etiquettes, and various shades of Domestic life. Also the ancient mode of Warfare.

It will be seen that the Series in its variety and scope, is really a panorama of Indian life and culture, depicting genuine feelings and emotions, discussing communal problems, as well as social and moral notions, describing every day life and its relation to the objects and events of Nature. This will enable the reader to survey the extent and guage the depth of Urdu Poetry.

MOHAMED ELYAS BURNY,

Osmania University,

December, 1924. *Hyderabad (Deccan).*

Set II.

JAZBAT-E-FITRAT (Natural Feelings and Emotions).

Volume I ...Selections from the works of the two old and premier poets Mir andSauda.

Volume II ...Selections from the works of the eminent poet, Mirza Ghalib, his noteworthy contemporaries, Zauq and Zafar and his true follower Hasrat Mauhani.

Volume III ...Selections from the works of some thirty old notable poets.

Volume IV ...Selections from the works of some sixty modern popular poets.

Set III.

MANAZIR-E-QUDRAT (The Scenes and Sights of Nature).

Volume I ...Collection of poems reflecting the various manifestations of Time, such as Dawn, Sunrise, Sunshine, Sunset, Night, Moonlight, Rainyseason, Winter, Summer and Spring.

Volume II ...Collection of poems reflecting the scenes and sights of Space, such as Earth and Sky, Plains and Mountains, Rivers and

an active support, far and near, that it rapidly extended to no less than twelve Volumes within the next four years. A Revised and Enlarged edition of these Volumes has been published in their final cast in 1924, and it is possible that some additional Volumes may still follow in the future.

The Series is divided into three Sets, and covers twelve volumes as follows:—

Set I.

MAARIF-E-MILLAT (Problems of Community).

Volume I ... Collection of poems in praise of God and the Prophet and others imbued with the spirit of religious devotion: A Prayer Book.

Volume II ... Collection of poems depicting the past, present and future of Islam and the Musalmans. The tragedy of Karbala, as told here, is extremely impressive.

Volume III... Collection of poems dealing with the various phases and prospects of Nationalism in India.

Volume IV... Collection of poems dealing with the various problems of Ethics and Morals.

SELECTED URDU POEMS SERIES.

This is, perhaps, the first attempt in Urdu alone, to edit a comprehensive anthology on the advanced system of the comparative study of cognate poems. The Collection already includes more than twelve hundred poems selected from the works of nearly two hundred poets—old and new—bearing upon a large variety of important and interesting subjects and arranged according to the affinity of their subject-matter. The Series thus offers, in a convenient form what may be called the cream of Urdu Poetry, while by the special arrangement of the pieces selected it provides ample scope for the growth and development of critical instinct which is the soul of higher literary education. It is hoped that the Series will satisfy not only the long felt want of a popular anthology for the Urdu reading public, but will also meet the demand for systematic Urdu Poetry-Books in Schools and Colleges all over the country.

The Series was started in 1919 when the first three volumes of the Ma'arif, Manazir, and Jazbat were published, and received such